لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

دنیا کے بناؤ بگاڑ کا ذمہ دار کون؟

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد، اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بناؤ بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی، سب کو انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے، انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اور اگر انسان بگڑا ہوا ہے، راستہ چھوڑ چکا ہے، خودکشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر کمربستہ ہے، اس کو اپنی قیمت معلوم نہیں، وہ خدا کو بھول چکا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے، اس کو اپنے آغاز و انجام کی خبر نہیں یا فکر نہیں تو پھر اس دنیا کے بگاڑ کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس بگڑی ہوئی دنیا کو بنا نہیں سکتا۔

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی جس کو اللہ نے "لَبَناً خَالِصاً سَآئِغاً لِّلشَّارِبِیْنَ" کہا ہے اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی جس کو قرآن "مَآءً فُرَاتاً" کہتا ہے، اس کی پیاس دجلہ و فرات کے پانی سے نہیں بجھتی بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہنچنے اور وہاں کی آب و ہوا اور وہاں کی سطح اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ یہ چاند، مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آجائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا نمونہ بنادی جائے لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہے تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی ہی تباہی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی اور یہ دنیا انسانوں کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(از: مغرب سے صاف صاف باتیں۔ ص ۱۶۱ و ۱۷۱)

فی شمارہ ۶/روپے

سالانہ ۱۳۰/روپے

۱۰/۱ اکتوبر ۲۰۰۱ء

Regd. No.LW/ NP/63
Fax No. 0522-787310
788376

R.N.I.No.UP.URD.03615/24/1/2001-Tc
Office Ph.No.787250 (Ext)18
Guest House-323864

Website : - www.nadwatululama.org, Email : - nadwa@sancharnet.in

FORTNIGHTLY Vol. No. : 1 Issue No.: 22

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (INDIA) Rs. 6/-

The Fragrance of East

A quarterly English magazine published from Nadwa needs your patronage. Please subscribe it yourself and motivate others also to read it regularly.

Annual subscription is only Rs.100/- which may be sent by M. O. or Bank Draft payable to:-

The secretary,
Majlise Sahafat wa Nashriat,
C/o Tamir-e-Hayat, Nadwatul Ulama,
P. O. Box No. 93, Tagore Marg
Lucknow-226007 (U.P.)

آپ کی خدمت میں جدید دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارا نیا شوروم

گہنہ پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد نعیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینار مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

زوزامین

فسادِ خون اور جلدی امراض کا شربت

- خونی فساد، پھوڑے پھنسی، خارش
- اور جلدی امراض کا کامیاب سیرپ
- جذام کے لئے نہایت جلد اثر کرنے والا

ZUZAMEEN

HASANI PHARMACY
117/4 Gwynne Road, Lucknow - 226018 Ph.: 202677

حسنی فارمیسی کی ایجنسی کے لیے رابطہ قائم کریں

AFZALS کیپ کے اوپر MAU CITY دیکھ کر خریدیئے

MAU CITY AFZALS

مئو کا بنا

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ کٹنے، جلنے کی مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن (یو۔پی)

چشمہ ساگر

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے

AUTO REFRCCTO METER AR-860

فوٹو کرامک ☆ کوٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس

فینسی پاور و دھوپ کے چشموں کا خاص مقام

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشن اے۔ رحمٰن (علیگ)

شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج اعظم گڑھ

Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Nadwatul Ulama
at Parekh offsetPressTagore Marg,Lucknow.u.p. Editor: *Shamsul Haq Nadwi*

پندرہ روزہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۳۸	۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۱ء	
	مطابق	
	۲۲/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ	شمارہ نمبر ۲۳

زیر سرپرستی : حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء

زیر نگرانی

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء

پروفیسر وصی احمد صدیقی

معتمد مالیات دار العلوم ندوۃ العلماء

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

مدیر اعلی

سید محمود حسن حسنی ندوی

معاون مدیر

مجلس مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی

مولانا محمد خالد ندوی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زر تعاون

سالانہ ----- =/۱۳۰ روپے

فی شمارہ -------- =/۶ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک

ایشیائی، یورپی، افریقی

وامریکی ممالک ...... ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ..... ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ باکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۲۲۶۰۰۷) یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

Website:www.nadwatululama.org

E-mail Adress: nadwa@sancharnet.in

Ph: Office.787250(Ext)18

Guest House.323864

گزارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ (منیجر)

دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ =/130 روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد خوشنویس۔ کمپیوز سیکشن مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہماری غفلت کی انتہا

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ

آج کل ہم لوگوں کی عجیب حالت ہوگئی ہے ہم نے اپنے اسلاف کی اور صحابہ کرامؓ کی سیرت کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اور ہم اس قدر غافل ہوگئے ہیں کہ ہم میں ان کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، نہ ہمارے اندر وہ ایمانی جذبہ ہے نہ ہمارے ایمان میں وہ قوت ہے، نہ اللہ ورسولؐ کی محبت وعظمت ہے جو صحابہ کرامؓ میں تھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہیں، اسی طرح ہمارے اندر نہ آخرت کا یقین ہے نہ اللہ کے کلام کی عظمت ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی اور نہ آپ کے ارشادات کی اہمیت ہے، پھر اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔

(آپ کو معلوم ہے کہ) لوگوں کے قلوب مردہ ہو چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک محبت سے اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس سے مردہ دل زندہ ہوگئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دل کی موت اور اس کی حیات کیا چیز ہے؟ اللہ کی یاد سے جو دل غافل ہے، اللہ کے ذکر سے جو دل خالی ہے وہ دل مردہ ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث آئی ہے "عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت" (متفق علیہ (مشکوٰۃ، باب ذکر اللہ ج ا ص ۹۶)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "مثال اس آدمی کی جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یاد کرتا ہے اور اس آدمی کی جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا بلکہ بھولا ہوا ہے زندہ اور مُردہ کی سی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا نام رٹنے والا زندہ ہے، اور اس کا دل زندہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانے والا اس کی بندگی سے جی چرانے والا، اس کی یاد سے غافل رہنے والا مردہ ہے، اس کا دل بھی مردہ ہے۔

حقیقت میں دنیا کی زندگی فانی اور مٹ جانے والی ہے اور دنیا کی بہار چند روزہ ہے جس پر ہم قربان ہو رہے ہیں، اللہ کے بندو! اس دنیا سے دل مت لگاؤ اور آخرت کی طرف قدم بڑھاؤ، آخرت باقی رہنے والی ہے وہاں کی راحت جاودانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی طرف بلانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور اپنے اپنے زمانہ میں تمام پیغمبروں نے اللہ کا پیغام پہونچایا اور دین کی تبلیغ فرمائی۔ اور اس میں انھوں نے طرح طرح کے مصائب برداشت کئے، تکلیفیں جھیلیں، اخیر زمانہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوگیا، آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے تاقیامت اب آپ ہی کی تعلیمات پر عمل کرنا ہوگا۔

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ توراۃ، زبور، انجیل اور صحف موسیٰ، سب کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرما دیا ہے، اس لئے اب اگر نجات وفلاح ہوگی تو اسی کتاب پر عمل کرنے اور اسی کی اتباع کرنے سے ہوگی۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ ضلالت اور گمراہی کا طریقہ ہوگا۔ ہدایت تو بس اسی میں منحصر ہے!

اے محبت کا دعوی کرنے والو! کان کھول کر سنو! اور اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اس معیار پر آؤ اور تم بھی دکھاؤ کہ تم کو اللہ ورسولؐ سے کتنی محبت ہے، صحابہ کرامؓ نے اپنے حالات سے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثبوت دیا ہے، قیامت تک کے لئے معیار قائم فرما دیا۔ اب اسی معیار سے سچے جھوٹے کا فرق معلوم کیا جائے گا، محض زبان سے محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اس معیار پر اترنا بہت مشکل ہے۔

آیئے ہم اور آپ سب مل کر اپنے کو تبدیل کریں، اپنے عقیدے کو درست کریں، اعمال صالحہ اختیار کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ اختیار کریں، اتباع سنت ہی اصل ہے اور وہی خدا سے قرب کا ذریعہ ہے بزرگانِ دین نے سب سے زیادہ اسی کا اہتمام فرمایا ہے۔

> خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
> نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا
> (اقبال)

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے
۵۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم فی سینٹی میٹر =/Rs. 80

بیرون ملک کے نمائندے

مدینہ منورہ
Mr.TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No.842
Mdina Munawwara(K.S.A)

برطانیہ
Dr.M.AKRAM NADWI Sb.
Oxford Center for Islamic Studies
George Street
Oxford Ox1 2AR ,U.K.

ساؤتھ افریقہ
Mr.M.YAHYA SALLO NADWI Sb.
P.O.Box No.388 Vereninging.(S.Africa)

قطر
Mr.ABDUL HAI NADWI Sb.
P.O.Box.No.10894, Doha-Qatar

دبئی
Mr.QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb.
P.O.Box No.12525, Dubai(U.A.E)
Ph:No.3970927

پاکستان
Mr.ATAULLAH Sb.
Sector A-50 Near Sau Quater
H.No.109 Town Ship kaurangi
Karachi-31(Pakistan)

امریکہ
Dr.A.M.SIDDQUI Sb.
98-Conklin Ave.Woodmere
New York 11598(U.S.A)

Website:www.nadwatululama.org
E-mail Address: nadwa@sancharnet.in

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

۱۔	ہماری غفلت کی انتہا	حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی	۲
۲۔	دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت (اداریہ)	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵
۳۔	نعت	علامہ سید سلیمان ندوی	۷
۴۔	انسانیت کی ساری متاع آج داؤں پر لگی ہے	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۸
۵	شکر	علامہ سید سلیمان ندوی	۱۱
۶۔	انسان جب سچے دل سے خدا سے ڈرتا ہے	شمس الحق ندوی	۱۵
۷	بُرے چرچے کے اچھے نتائج	امین الدین شجاع الدین	۱۸
۸	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبد الکریم پاریکھ فکری ربط و اصلاحی تعلق مکاتیب کے آئینہ میں	مولانا محمد عبد المجیب ندوی	۱۹
۹۔	مفکر اسلام کی یاد میں (نظم)	سلطان ذوق ندوی چاٹگامی	۲۲
۱۰۔	قلم اور کلام کی عظمت	مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)	۲۳
۱۱۔	شب برات کی حقیقت	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۲۵
۱۲۔	ذرا سوچئے!	نعیم الرحمن صدیقی ندوی	۲۸
۱۳	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۹
۱۴	مطالعہ کی میز پر	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۳۰

اداریہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت

مسلمانوں میں اس وقت ان کے ہر ملک میں تعلیم کی اہمیت کو اچھا خاصا محسوس کیا جانے لگا ہے، اس کے مسائل اور تقاضوں پر غور کرنے کے لئے مسلمانوں کے دانشور اور باشعور افراد کے مشاورتی اجتماعات بھی منعقد ہوتے ہیں، اور ضرورت کے احساس کے ساتھ علمی تدابیر بھی اختیار کی جاتی ہیں، اس کی وجہ سے مسلمانوں کی نئی نسل کے لئے تعلیم کا انتظام کرنے کا رجحان عام ہوگیا ہے، اگرچہ مطلوبہ مقدار اور ضرورت کے لحاظ سے یہ ابھی کم ہے لیکن جتنا ہے وہ ایک فال نیک ہے۔

آزادی سے قبل تعلیم کی ضرورت کو اس اہمیت اور وسعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، برطانوی اقتدار کے تحت زیادہ تر کلرک اور آفیسر سطح کے افراد تیار کرنے کو اہمیت دی جاتی تھی، زندگی کو ہمہ جہتی ترقی دینے کی ضرورت کے لئے تعلیم کی افادیت کو عموماً نظر انداز کیا جاتا تھا، آزادی کے بعد ہنر مند افراد تیار کرنے کی ضرورت کو بہت محسوس کیا جانے لگا اور مضامین تعلیم میں نسبتاً سائنس کے شعبوں کی طرف توجہ بڑھی اور سائنس کے نظری اور عملی دونوں پہلوؤں کو اختیار کیا گیا۔

مسلمانوں کی تعلیم کے مختلف عناصر میں ایک بڑا اور بنیادی عنصر دینی تعلیم کا رہا ہے اس کو مسلمانوں نے آزادی سے قبل بھی اس کا مقام دینے کی کوشش کی اور اس سے تیار ہونے والے افراد نے ملت کی دینی ضرورت کو خاصی حد تک پورا کیا اور ان میں سے ایک تعداد نے آزادی کی جنگ میں بھی نمایاں حصہ لیا اور قربانیاں دیں پھر آزادی کے بعد بھی یہ دینی تعلیم قائم رہی بلکہ اضافہ ہوا۔ دینی علوم کے مدارس اور جامعات مزید قائم کیے گئے اور قائم کئے جا رہے ہیں، اور وہ قوم کو اس کی دینی ضرورت کے افراد ایک حد تک مہیا کر رہے ہیں۔

تعلیم کے مادی اور خالص دنیاوی عناصر کی اہمیت کا زیادہ احساس رکھنے والے کچھ افراد دینی علوم کی تعلیم کے بندوبست کو زائد از ضرورت انتظام قرار دیتے ہیں یہ لوگ دراصل دینی تعلیم کی اہمیت کا پورا اندازہ نہیں رکھتے، مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے اور ان میں اسلامی واقفیت اور صلاحیت پیدا کرنے کے لئے یہ دینی علوم کی درسگاہیں بنیادی کردار انجام دیتی ہیں، ان کو امت کی دینی ضرورت کے لحاظ سے دیکھنا چاہئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ عہد جدید کے مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کا مغربی فکر وتہذیب کے اثر نے ایک طرف یہ ذہن بنایا کہ وہ دین کو انسان کا صرف ایک ذاتی مسئلہ اور ایک کم اہمیت کا ایسا معاملہ سمجھنے لگے کہ وہ رہے یا نہ رہے اس سے انسانی زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، حالانکہ مسلمان قوم کے لئے اس کا دینی عقیدہ اس کے تحت عملی زندگی ان کے لئے بنیادی حیثیت کا مالک ہے اس طرح مدارس دینیہ دینی تقاضہ اور ضرورت کے تحت جو کام انجام دے رہے ہیں مسلمان کی زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مدارس کی اس اہمیت کا خود مغربی طاقتوں نے اندازہ لگالیا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ دین کی پابندی انسان میں واقعتاً یک خاصی افادیت پیدا کردیتی ہے چنانچہ وہ اس زاویہ نگاہ سے مسلمانوں میں ابھرتے ہوئے دینی شعور کو ایک ابھرتی طاقت محسوس کرنے لگے ہیں جس کو وہ اپنی بے دینی کی زندگی اور بے حیا اور گمراہ فکر وتہذیب کے لئے خطرہ

محسوس کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کے مدارس دینیہ کو اپنی دشمن اسلام تہذیب کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان مدارس سے ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو کہ مغربی دنیا کی ملحدانہ کیفیت اور اخلاقی بے باکی اور حیا سوزی وشخصی کردار کی آزادی کے لئے مخالف اثرات رکھنے والے، اور ان کا مقابلہ کرنے والے ہیں افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مغرب زدہ مسلمان دانشور بھی دینی مدارس کے مفید اثر کو نظر انداز کر کے مغرب کے منفی خیال میں اس کے ہمنوا بن جاتے ہیں۔ ہمارے یہ دینی مدارس تین طرح کے ہیں، ایک ابتدائی مدارس جن کو مکاتب کا نام دیا جاتا ہے یہ عموماً درجہ پانچ تک ہوتے ہیں ان میں اردو، قرآن مجید ناظرہ اور اچھی اخلاقی، دینی اور تہذیبی باتیں جو بچوں کی سمجھ کے مطابق ہوتی ہیں پڑھائی جاتی ہیں، ساتھ ساتھ کچھ حساب اور ہندی کی حرف شناسی بھی سکھائی جاتی ہے، ان کا معیار حکومتی پرائمری درجات کے مطابق ہوتا ہے۔

یہ نصاب تعلیم مسلمان بچوں کے لئے عقیدہ و مذہب کے لحاظ سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے جو مسلمان بچے محروم رہتے ہیں وہ اپنے دین و مذہب سے واقفیت میں بالکل کورے رہ جاتے ہیں، پھر اگر ان کو غیر اسلامی ماحول ملے تو وہ اسلام سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

ان ہی دینی مکاتب میں بعض جگہ تین سال کا حفظ قرآن کا کورس بھی شامل کر دیا جاتا ہے جس سے بچے حافظ قرآن بن جاتے ہیں اور ان سے امت اسلامیہ کی حفظ قرآن کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جو اپنی جگہ پر ایک اہم ضرورت ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

مکاتب کی یہ تعلیم کم از کم حفظ قرآن سے پہلے تک ہر مسلمان بچے کے لئے ضروری ہے۔

مدارس اسلامیہ کا دوسرا مرحلہ ثانوی اور اس سے اوپر کی دینی تعلیم کا ہے جس میں دینی علوم اس حد تک پڑھائے جاتے ہیں کہ امت کی دینی ضرورت کو پورا کرنے والے افراد تیار ہوں ان میں مفتی ہیں، خطیب و واعظ ہیں، معلم ہیں، داعی ہیں، مصنف و محقق ہیں، یہ تفسیر قرآن اور فقہ و حدیث سے اتنی واقفیت حاصل کرتے ہیں جس سے وہ اپنی امت کی دینی ضرورت پوری کر سکیں۔ ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے عصری تعلیم میں کوئی میڈیکل لائن میں جا کر مریضوں کے علاج کی ضرورت پوری کرنے کے قابل بنتا ہے، اور کوئی انجینئرنگ لائن میں جا کر زندگی کی صنعتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور کوئی قانون کی تعلیم حاصل کر کے لوگوں کے جھگڑوں اور نزاعات میں مقدمات کی ذمہ داری انجام دیتا ہے، اسی طرح مسلمان کی شرعی و دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عالم دین بننا ایک ناگزیر ضرورت ہوتی ہے، دینی تعلیم کے نصاب میں تفسیر و فقہ و حدیث اہم اور خاصی مقدار رکھنے والے اجزاء ہوتے ہیں جس کے لئے دینی طالب علم کو ذرا تفصیلی طریقہ سے کئی سال لگانے ہوتے ہیں ہماری اس دینی ضرورت کو پورا کرنے والی درس گاہیں ہماری دینی زندگی کے بقاء و حفاظت کے لئے ضروری ہیں اور یہ درس گاہیں عصری مضامین کی درس گاہوں کے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے دس فی صد بھی نہیں ہیں اور ان کے طلبہ کی تعداد کو دیکھا جائے تو ان دینی درس گاہوں میں جانے والے طلبہ کی تعداد دیگر مضامین کی درس گاہوں میں جانے والے طلبہ کے مقابلہ میں صرف تین یا چار فی صدی نکلے گی تو کیا ہماری دینی و اسلامی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کے اہل علم کی یہ تعداد زندگی کی عام ضروریات کے لئے تیار کی جانے والی ۹۱۔۹۲ فیصد تعداد کے مقابلہ میں گوارہ نہیں کی جا سکتی؟، امت کی خیر خواہی رکھنے والا کوئی دانشور بھی اس بات سے انکار نہ کر سکے گا کہ دینی و اسلامی احکام و قدروں کی حفاظت کے لئے یہ ازبس ضروری ہیں، لیکن صحیح جائزہ نہ لینے کی وجہ سے دینی ضرورت کے انتظام کو زائد از ضرورت سمجھا جا رہا ہے، جبکہ عملی طور پر اس کی مقدار ضرورت سے کچھ کم ہی ہے اگر اس محدود انتظام کو اور مزید کم کر دیا جائے یا اس کو دنیاوی ضرورت کے انتظام میں ضم کر دیا جائے تو ہم کو اسلام کی مذہبی تعلیمات سے واقف کرانے والے اور مذہبی احکامات اور مذہبی اعمال کی طرف متوجہ کرنے والے نیز احکام الٰہی کے بتانے والے جن کی رہنمائی میں مسلمان مسلمان رہنے کا طریقہ سیکھے، صوم وصلوٰۃ، زکوٰۃ و حج نیز پیدائش اور موت، شادی وغمی ان سب میں مسلمان کے فرائض بتانے

والے مطلوبہ ضرورت کے بقدر بھی نہ مل سکیں گے، ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ جو آخرت پر اور اس میں پیش آنے والے حالات پر یقین نہیں رکھتے وہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ کیا فرق پڑتا ہے مرنے والا جلایا جائے یا بلا غسل و نماز جنازہ دفن کر دیا جائے، کیا فرق پڑتا ہے قاضی نہ ملے تو "سول میرج" سے کام چلا لیا جائے۔ کیا فرق پڑتا ہے نماز پڑھنا اور اس کے احکام جاننا، رمضان و عید کے بارے میں واقفیت ہونا آئے یا نہ آئے۔ آدمی کو اپنی جوانی اور ادھیڑ عمر میں راحت و عزت ملے یہ کافی ہے مرنے کے بعد کیا ہوگا دیکھا جائے گا، تو آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ایسا کہہ سکتے ہیں اور دینی تعلیم کی اہمیت کو کم کر سکتے ہیں لیکن جو افراد دنیاوی ضرورت کی اہمیت کو مانتے ہوئے آخرت میں پیش آنے والے معاملات پر بھی دھیان دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ تو اس کے لئے تیار نہیں کہ ہم دنیا کی تو پوری فکر کریں اور آخرت کی راحت اور عزت کو ناقابل توجہ سمجھیں، ہم کو تو اپنی دینی ضرورت کو بھی دیکھنا ہے اور اس کی مقدار کے لحاظ سے انتظام بھی کرنا ہے اس طرح اگر سو طالب علموں میں صرف تین چار طالب علم دینی تعلیمات کے حصول کی طرف جاتے ہیں تو ان کا راستہ روکنا یا دین کی ضرورت کو غیر اہم سمجھ کر دوسری ضرورتوں کا تابع کر دینا صحیح قرار نہیں دے سکتے۔

امت اسلامیہ کی زندگی کے دونوں پہلوؤں یعنی دنیاوی ضروریات اور آخرت کی سلامتی اور کامیابی کی ضرورت کو پیش نظر رکھنا امت مسلمہ کے ذمہ دار طبقہ کی ذمہ داری ہے، امت کی طبی ضرورت کے لئے کتنے آدمی چاہئیں، انتظامی ضرورت کے لئے کتنے کار پرداز چاہئیں، سیاسی ضرورت کے لئے اور سماجی کاموں کے لئے کتنے افراد چاہئیں، قانونی تقاضوں کے لئے کتنے ماہرین کی ضرورت ہے اسی طرح ہماری دینی اور اخلاقی ضرورت کے لئے کتنے واقف کاروں اور ذمہ داری سنبھالنے والوں کی ضرورت ہے یہ سب ضرورتیں ہمارے پیش نظر ہونا چاہئیں، مقدار اور تعداد کا اندازہ لگانے میں فرق ہو سکتا ہے لیکن کسی اہم پہلو کو نظر انداز کر دینا صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

لہٰذا ہمارے دینی مدارس جو ابتدائی تعلیم کے مکاتب کی شکل میں ہوں وہ تو اتنی تعداد میں ہونے چاہئیں کہ امت کے تمام بچے ان سے مستفید ہو سکیں اور وہ مدارس جن میں عالم و فاضل بننے کی سطح تک تعلیم کا انتظام ہو وہ اس کی ضرورت کے مطابق قائم کئے جانے اور باقی رکھے جانے ضروری ہیں اس میں امت کے تمام طبقوں اور دانشوروں کو ساتھ دینا اور تعاون کرنا چاہئے یہ امت کے مقام اور کردار کو معیاری بنانے اور اس کو اسکے شایان شان حیثیت تک اٹھانے کے لئے ضروری ہے۔☆☆

نعت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے
آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے

اے زائر بیت نبوی یاد رہے کہ
بے ساختہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے

آہستہ قدم، نیچی نگہ، پست ہو آواز
خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے

پاکیزہ تراز ارض و سماء جنت فردوس
آرام گہہ پاک رسول عربی ہے

بجھ جائے تری چھینٹوں سے اے ابر کرم اب
جو آگ مرے سینہ میں مدت سے دبی ہے

انسانیت کی ساری متاع آج داؤں پر لگی ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد کو، بدامنی کو، سروں پر منڈلاتے ہوئے جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن وسکون اور باہمی اعتماد و محبت کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے۔ آپ کسانوں کو دیکھتے ہیں خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ہل چلاتا ہے۔ تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے۔ اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہا اٹھے، اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا۔ اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے دیئے ہوئے ہل چلاتے، اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاض (محنت) کرتے اور وہ کھیتی برگ و بار لاتی، تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے، اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے لوث و بے غرض انسان اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

جب دل کی دنیا بدلتی ہے تو کیسا ہوتا ہے

کوئی باور نہیں کر سکتا کہ کیا انسان کے اندر اپنی بے غرضی پیدا ہو سکتی ہے، کیا انسان دوسروں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کر سکتا ہے، کیا انسان وعدہ وفا کرنے کے لئے اپنا گھر لٹا سکتا ہے۔ ایک مظلوم کو بچانے کیلئے اپنے سارے کنبے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ انھوں (پیغمبر) نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دفینوں کو نکالا اور عالم انسانیت کو اس سے مالا مال کر دیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑے ماہرین کو چھوڑا، کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں۔ نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا بلکہ انھوں نے صاف کہہ دیا "انتم أعلم بأمور دنیاکم" صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں، اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے وہ انسانیت کا میدان ہے، اور انھوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہوگیا، صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے، صحابہ کرامؓ کے دور کی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔

آج ہر چیز موجود ہے لیکن انسانیت کا سچا درد مفقود ہے

آج کس چیز کی محتاجی ہے، کیا چیز دنیا سے کھو گئی ہے۔ خدا کے لئے غور کیجئے کیا چیز اس وقت دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے؟ نیک ارادہ نہیں، انسان کی قدر نہیں، انسانیت کی فکر نہیں، خطرات ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ ان کی کسی کو پروا نہیں، اپنی اپنی تو فکر ہے، لیکن کسی کو عام انسانیت کی فکر نہیں، اگر تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور یہ ہائڈروجن بم، اور ایٹم بم چلا دیئے گئے تو دنیا کا کیا حشر ہوگا باتیں تو اس کی بہت کی جا رہی ہیں، چرچے تو اس کے ہر طرف ہیں، لیکن کسی کو اس کا سچا درد نہیں ہے اور جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں، اور انسانیت کو بچا سکتے ہیں وہ سب سے زیادہ ان وسائل کی تیاری میں منہمک ہیں، یہ سمجھ لیجئے کہ نئی جنگ کے لئے ساری قومیں اور دنیا کی ساری طاقتیں پر تول رہی ہیں، اور ساری دنیا میں جو کچھ ریس ہے وہ اسی کی ہے، کسی کو بدی سے نفرت نہیں، کسی کو انسان کی تباہی کا غم نہیں جو حقیقی دکھ اور صدمہ ہونا چاہیے، جیسے باپ کو اولاد کا صدمہ ہوتا ہے، بھائی کو بھائی کا صدمہ ہوتا ہے، وہ صدمہ کسی کو نہیں، صرف زبانی باتیں ہیں، امریکہ سے لیکر آپ ایشیا کے آخری سرے تک چلے جائیے، آپ کو ہر جگہ باتیں ملیں گی لیکن اس کے اندر درد مفقود ہے، جو درد کراہ اور کسک ہوتی ہے وہ کسی میں آپ نہیں پائیں گے، اس میں سارا حصہ عقل کا ہے،

سارا حصہ ذہانت کا ہے۔ دنیا کے خطرات سے واقفیت اور اس کی تحلیل اور تجزیہ ایسا کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جیسے کسی معمل میں کسی چیز کے الگ الگ اجزاء کئے جاتے ہیں، بالکل ہندی کی چندی کر کے آپ بتا دیں گے کہ کیا خطرہ درپیش ہے لیکن اس کے اندر جو انسانیت کا درد ہے یا دل میں کسک ہے، وہ نہیں ہوتی جیسے آدمی اپنے گھر کا کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے، آنسو، اس کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے ہوتے ہیں، آواز مرتعش ہوتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل رو رہا ہے۔

آج دنیا کے بڑے بڑے فلسفی نہایت اطمینان سے دنیا کے خطروں کو بیان کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کوئی بہت خوش آئند بات ہو، کوئی مبارک واقعہ ہو جس کو مزہ لے لے کر بیان کیا جائے، اس لئے کہ انسانیت سے کسی کو حقیقی اور قلبی تعلق نہیں ہے، سب زبانی باتیں اور دماغی تعیشات ہیں۔

آج دنیا کی ساری کمی پوری ہو چکی ہے کرنے کو سب کچھ ہمارے پاس ہے، اگر ہم نیک بننا چاہیں، اگر ہم انسان کی خدمت کرنا چاہیں، اگر ہم انسان کو ان خطرات سے نکالنا چاہیں۔ اگر ایک فرد بھی قطب شمالی یا قطب جنوبی میں ہے، ہم اس کی مدد کرنا چاہیں تو اللہ نے ہم کو وہ وسائل دیئے ہیں کہ ہم ان کی مدد کو پہونچ سکتے ہیں، لیکن ہمارے اندر سچا ارادہ نہیں، ہمارے اندر اس کا شوق نہیں، ایک شخص کے پاس سب کچھ ہے، وہ لاکھوں روپئے سے مدد کر سکتا ہے، لیکن وہ خسیس ہے، بخیل ہے اس کو پیسے کی محبت ہے یا سست ہے اور کاہل الوجود ہے، وہ بالکل ہاتھ ہلانا نہیں چاہتا تو بتائیے، اس کی دولت کیا کام آئے گی۔

آج انسان سب کچھ کر سکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا

اسی طرح آج انسان کے نیک بننے اور انسان کی خدمت کرنے اور اس دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دینے، اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دینے اور اس دنیا کو مسجد و معبد میں تبدیل کر دینے کا جیسا زریں موقع، جیسا آسان راستہ اس وقت ہے ایسا کبھی نہیں تھا۔ آج بدقسمتی سے انسان سب کچھ کر سکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا، کیوں نہیں چاہتا؟ کرنے کا فائدہ اس کے سامنے نہیں، فائدہ کیوں سامنے نہیں، اس کو یقین نہیں!

سوائے اپنی آسائش کے سوائے اپنے معدے کے تجربوں کو اپنے جسم کے تجربوں کے اور اپنے محسوسات کے، وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے سوا سب کچھ بھول گیا ہے اور اب مجھے خطرہ ہے کہ شاید وہ وقت بھی کچھ دور نہیں جب اپنی اولاد کو بھی بھول جائے گا، خود غرضی میں اور خود پرستی میں، خود نمائی اور اپنے وجود میں سب کچھ محدود کر دینے کے سلسلہ میں جس رفتار سے انسان ترقی کر رہا ہے اگر یہ رفتار جاری رہی تو چند دنوں میں ہم یہ دیکھ لیں گے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو بھی بھول جائیں گے اور صرف اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کریں گے وہ اگر بھوکے ہیں اور بلک رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی۔ دنیا میں جہاں مادیت اپنے صحیح برگ و بار لائی ہے اور نبیوں کی تعلیم ان کو روکنے کے لئے وہاں موجود نہیں تھی، یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بگڑی ہوئی اور بچی کھچی تعلیمات کلیسائی تعلیمات اور انجیل کی تعلیم وہ بھی وہاں سے رخصت ہوگئی ہے وہاں تو یہ حال ہے کہ انسانوں کو اپنے سوا کسی کا ہوش نہیں رہا بلکہ بہت سے لوگوں کو اپنا بھی ہوش نہیں رہا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے (نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ) آخری عبرت کا منظر یہ ہے کہ انسان کو اپنا بھی صحیح ہوش باقی نہ رہے، یعنی اپنے پیٹ کا تو ہوش رہے، اپنا ہوش نہ رہے،

سبھوں نے جاہ طلبی میں اقتدار پسندی میں

خرابی صرف یہ ہے کہ دنیا کا رُخ غلط ہے

اس وقت دنیا کے اندر جو انقلاب آیا ہوا ہے اس کو خواہ کسی عنوان سے بیان کیا جائے وہ یہ ہے کہ انسان کا رُخ خیر سے شر کی طرف مڑ گیا ہے ساری طاقتیں ہیں لیکن اس کی منزل غلط ہو گئی ہے، وہ چل رہا ہے، چلنا ہرگز بند نہیں ہوا، بلکہ پہلے چلتا تھا۔ پھر دوڑنے لگا۔ اور اب اڑنے لگا ہے، لیکن جس طرف اڑ رہا ہے، وہ شر کی منزل ہے، انسانیت کشی کی منزل ہے انسان کو برباد کرنے کی منزل ہے۔

ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معاملہ ہے انسان کا، اور انسان کا بھی جو کچھ معاملہ ہے، وہ اس کے دل کا ہے اور دل کا جو کچھ بھی معاملہ ہے وہ اس کے نیک ارادوں کا ہے، اگر یہ چیز پیدا ہو جائے۔ یعنی نیک ارادے پیدا ہونے لگیں تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ وسائل کا تو صرف نام ہی نام ہے، وسائل تو انسانی ارادوں کے تابع ہیں، جن کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے انسان خود پیدا کرتا ہے۔

حکومت کی کرسی حاصل کرنے میں اپنا سب کچھ داؤں پر لگا دیا ہے، انسانیت کا سارا اثاثہ داؤں پر لگا رکھا ہے، انسانیت کی ساری متاع داؤں پر لگا رکھی ہے ساری تاریخ داؤں پر لگا رکھی ہے، ساری تہذیب داؤں پر لگا رکھی ہے، بلکہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انسانیت کی لاشوں پر اگر انسان کھڑا ہو کر "أنا ربكم الأعلىٰ" کہہ سکتا ہے تو درجنوں کی تعداد میں نہیں، سینکڑوں کی تعداد میں نہیں ہزاروں انسان اس کے لئے تیار ہیں. ان اللہ کے بندوں سے عقل کے دشمنوں سے پوچھا جائے کہ جب انسان ہی نہ ہوں گے تو تم کس پر حکومت کروگے. پتھروں پر حکومت کروگے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر حکومت کروگے، ریت کے ذروں پر حکومت کروگے، لیکن آج کے انسان کو ان سوالات سے کوئی دلچسپی نہیں اب تو صرف حکومت مقصود بن گئی ہے، اور دماغوں پر ایسی مستول ہو گئی ہے کہ محکوم کی بھی فکر نہیں، اقتدار کی یہ ہوس جس کے لئے فرعون قرآن میں معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور دولت کی ہوس جس کے لئے قارون معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، وزارت کا شوق، جس کیلئے ہامان معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے. یہ تین زندہ جاوید کردار ہیں، فرعون ہامان، قارون، ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

نفس ما را کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ما را عون نیست

فرق ہے کہ فرعون کے پاس ساز و سامان تھا۔ اور ہم میں سے کتنے آدمی ہیں" جن کے اندر فرعون بول رہا ہے

آج انسان نیلام پر چڑھ چکے ہیں

لیکن ان کے پاس اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ساز و سامان نہیں آج ساری دنیا اس راستے کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلی جا رہی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ انسان خربوزوں اور تربوزوں کی طرح منڈی میں بک رہے ہیں۔ پارٹیاں بدلی جا رہی ہیں، عقیدے بدلے جا رہے ہیں، زندگی بھر کے کردار پر زندگی بھر کی تاریخ پر پانی پھیرا جا رہا ہے، آدمی ایک کیمپ سے نکل کر دوسرے کیمپ میں جانے کے لئے تیار ہے، جس سے ساری عمر دوستی رہی اس سے دوستی ختم کر کے ان سے دوستی کرنے کے لئے تیار ہے، جن سے ساری عمر دشمنی رہی، جن کو ساری عمر برا کہتے تھے، ان کو اچھا کہنے کے لئے تیار، جن کو پاؤں تلے روندتا تھا. ان کو سر پر بٹھانے کے لئے تیار، جن کو آنکھوں میں جگہ دیتا تھا. ان کو پاؤں تلے روندنے اور مسلنے کے لئے تیار، سب کچھ انسان کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور جس سے آپ پوچھیں گے. اگر وہ صحیح بات کہنے کی ہمت و جرأت رکھتا ہو، منافق نہ ہو تو آپ سنیں گے کہ سب کے دل میں وہی فرعون بیٹھا ہوا ہے، اور دنیا کے فساد کا باعث یہی ہے۔

(از: مغرب سے صاف صاف باتیں ص۱۷ تا ص۱۸ ملخصاً)

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے
(امیر مینائی)

ظلم و زیادتی کو معاف کرا لیجئے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو، اس کی آبرو ریزی کی ہو، یا کوئی اور ظلم کیا ہو اس کو چاہیئے کہ آج اس دن سے پہلے اپنے ظلم کو معاف کرا لے. جب اس کے پاس دوسروں کو دینے کے لئے درہم و دینار کچھ پاس نہ ہوں گے، ورنہ اس کے پاس جو نیک عمل ہوں گے وہ بقدر ظلم اس سے چھین لئے جائیں گے، اور اگر نیک عمل نہ ہوں گے تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

بفضلہ
بہترین مٹھائیوں اور بیکری مصنوعات سے
وابستہ نام — سلیمان عثمان
شیریں رواج، شیریں مزاج
سلیمان عثمان مٹھائی والے
Fax: 009122-8341635 Telex: 011-79341 BARI IN.

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شُکر

"لغت میں شکر کے اصلی معنیٰ یہ ہیں کہ جانور میں تھوڑے سے چارہ ملنے پر بھی تر و تازگی پوری ہو اور دودھ زیادہ دے، اس سے انسانوں کے محاورہ میں یہ معنیٰ پیدا ہوئے کہ کوئی کسی کا تھوڑا سا بھی کام کر دے تو دوسرا اس کی پوری قدر کرے، یہ قدر شناسی تین طریقوں سے ہو سکتی ہے دل سے، زبان سے اور ہاتھ پاؤں سے. یعنی دل میں اس کی قدر شناسی کا جذبہ ہو، زبان سے اس کے کاموں کا اقرار ہو، اور ہاتھ پاؤں سے اس کے ان کاموں کے جواب میں ایسے افعال صادر ہوں، جو کام کرنے والے کی بڑائی کو ظاہر کریں۔

شکر کی نسبت جس طرح بندوں کی طرف کی جاتی ہے، خدا نے قرآن پاک میں اپنی طرف بھی کی ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرا ذرا سے نیک کاموں کی پوری قدر کرتا ہے، اور ان کو ان کا پورا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

شکر کا الٹا کفر ہے، اس کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں. اور محاورہ میں کسی کے کام یا احسان پر پردہ ڈالنے اور زبان و دل سے اس کے اقرار اور عمل سے اس کے اظہار نہ کرنے کے ہیں، اسی سے ہماری زبان میں "کفرانِ نعمت" کا لفظ استعمال میں ہے۔

یہی کفر وہ لفظ ہے، جس سے زیادہ کوئی برا لفظ اسلام کی لغت میں نہیں، اللہ پاک کے احسانوں اور نعمتوں کو بھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا، زبان سے ان کا اقرار اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ظاہر نہ کرنا کفر ہے، جس کے مرتکب کا نام کافر ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح کفر اسلام کی نگاہ میں بدترین خصلت ہے، اس کے بالمقابل شکر سب سے بہتر اور اعلیٰ صفت ہے، قرآن پاک میں یہ دونوں لفظ اسی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل بولے گئے ہیں "إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا" (دہر-۱)

ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا۔ (اب وہ) یا شکر گذار (شاکر) ہے یا ناشکرا (کافر)

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم-۲۰)

اگر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں بڑھائیں گے۔ اور اگر ناشکری (کفر) کی تو بیشک میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اس تقابل سے معلوم ہوا کہ اگر کفر اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور نعمتوں کی ناقدری کر کے اس کی نافرمانی کا نام ہے تو اس کے مقابلہ میں شکر کی حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کی قدر جان کر اس کے احکام کی اطاعت اور دل سے فرمانبرداری کی جائے

حضرت ابراہیم کی نسبت اللہ پاک کی شہادت ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (نحل-۱۹)

دراصل ابراہیم دین کی راہ ڈالنے والا اور اللہ کا فرمانبردار. اس کو ایک ماننے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا. اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کا شکر گذار، اللہ نے اس کو چن لیا اور اس کو سیدھی راہ دکھائی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانوں کی شکر گذاری یہ ہے کہ دین کی راہ اختیار کی جائے. احکام الٰہی کی پیروی کی جائے۔ اور شرک سے پرہیز کیا جائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا ہم کو قبول فرمائے گا. اور ہر علم و عمل میں ہم کو سیدھی راہ دکھائے گا۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ شکر ایمان کی جڑ دین کی اصل اور اطاعت الٰہی کی بنیاد ہے. یہی وہ جذبہ ہے جس کی بنا پر بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت اور محبت پیدا ہونی چاہیئے۔ اور اسی قدر و عظمت اور محبت کی قولی و عملی اظہار کا نام شکر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَّا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا (نساء-۲۱)

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دیکر کیا کرے گا اور اللہ تعالیٰ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو

باتیں چاہتا ہے۔ شکر اور ایمان، ایمان کی حقیقت تو معلوم ہے۔ اب رہا شکر تو شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے۔ ساری عبادتیں شکر ہیں بندوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی حقیقت بھی شکر ہی ہے دولتمند اگر اپنی دولت کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دیتا ہے تو یہ دولت کا شکر ہے، صاحب علم اپنے علم سے بندگانِ الٰہی کو فائدہ پہونچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے۔ طاقتور، کمزوروں کی امداد اور اعانت کرتا ہے تو یہ بھی قوت و طاقت کی نعمت کا شکرانہ ہے الغرض شریعت کی اکثر باتیں اسی ایک شکر کی تفصیلیں ہیں۔ اسی لئے شیطان نے جب خدا سے یہ کہنا چاہا کہ تیرے اکثر بندے تیرے حکموں کے نافرمان ہوں گے تو یہ کہا،

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ (اعراف: ۲۰)

تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائے گا۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو جزا دیتے ہوئے اسی لفظ سے یاد فرمایا:

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران - ۱۵)

اور ہم شکر کرنے والے کو جزا دیں گے۔

پوری شریعت کا حکم اللہ تعالیٰ ان لفظوں میں دیتا ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (زمر - ۷)

بلکہ اللہ کی بندگی کر اور شکر گذاروں میں سے ہو،

شکر کے اس جذبہ کو ہم کبھی زبان سے ادا کرتے ہیں کبھی اپنے ہاتھ پاؤں سے پورا کرتے ہیں، کبھی اس کا بدلہ دیکر اس قرض کو اتارتے ہیں، زبان سے اس فرض کے ادا کرنے کا نام اللہ تعالیٰ کے تعلق سے قرآن کی اصطلاح میں حمد ہے، جس کے مطالبہ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حمد الٰہی میں اللہ تعالیٰ کے ان صفات کاملہ کا ذکر ہوتا ہے جو ان احسانوں اور نعمتوں کی پہلی اور اصلی محرک ہیں اور اسی لئے یہ کہنا چاہیے کہ جس طرح سارے قرآن کا نچوڑ سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ کا نچوڑ خدا کی حمد ہے اسی بنا پر قرآن پاک کا آغاز سورۂ فاتحہ سے اور سورۂ فاتحہ کا آغاز الحمد سے ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فاتحہ - ۱)

سارے جہاں کے پروردگار کی حمد ہے۔

جہان اور جہاں میں جو کچھ رنگ برنگ کی مخلوقات اور عجائبات ہیں سب کی پرورش اور زندگی اور بقا اسی ایک کا کام ہے اسی کے سہارے وہ جی رہے ہیں اور نکھر رہے ہیں، اس لئے حمد اسی ایک کی ہے یہ تو دنیا کے نیرنگ قدرت کا آغاز ہے۔ لیکن دنیا جب اپنی تمام منازلِ حیات کو طے کرکے فنا ہوچکے گی اور یہ موجودہ زمین اور آسمان اپنا فرض ادا کرکے نئی زمین اور نئے آسمان کی صورت میں ظاہر ہوچکیں گے، پہلی دنیا کے عمل کے مطابق ہر شخص اس دوسری دنیا میں اپنی زندگی پاچکے گا، یعنی نیک اپنی نیکی کی جزا اور بد اپنی بدی کی سزا پاچکیں گے اور اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں جاچکیں گے، وہ وہ وقت ہوگا جب دنیا اپنے اس نظام یا دورہ کو پورا کر چکی ہوگی جس کے لئے خدا نے اس کو بنایا تھا۔ اس وقت عالم امکان کے ہر گوشہ سے یہ سریلی آواز بلند ہوگی۔

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (زمر - ۸)

سارے جہان کے پروردگار کی حمد ہے۔

حمد کا ترانہ موجودہ دنیا کے ایک ایک ذرہ سے آج بھی بلند ہے۔

لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (روم - ۲)

اسی کی حمد آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔

فرشتے بھی اسی حمد میں مشغول ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ (مومن - ۱۰)

جو عرش کو اٹھائے ہیں، اور جو اس کے چاروں طرف ہیں وہ اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ بلکہ عرصۂ وجود کی ہر چیز اس کی حمد و تسبیح میں لگی ہوئی ہے

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

(بنی اسرائیل - ۵)

اور کوئی چیز نہیں جو اس (خدا) کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو۔

یہی شکرانہ کی حمد و تسبیح ہے جس کا مطالبہ انسانوں سے ہے

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (حجر، طٰہٰ، مومن، طور، فرقان)

اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن اور شمائل میں ہر وقت اور ہر موقع کی اس کثرت سے جو دعائیں ہیں مثلاً کھانا کھانے کی، نئے کپڑے پہننے کی، سونے کی سو کر جاگنے کی، نئے پھل کھانے کی، مسجد میں جانے کی طہارت خانہ سے نکلنے کی وغیرہ وغیرہ ان سب کا منشا اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی حمد اور زبان سے اس کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ لیکن زبان کا یہ شکریہ دل کا ترجمان اور قلبی کیفیت کا بیان ہونا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو جسمانی نعمتیں عنایت فرمائی ہیں۔ ان کا شکریہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ، پاؤں کو خدا کے حکموں کی تعمیل میں لگائے رکھیں اور ان سے ان کی خدمت کریں جو اس جسمانی نعمت کے کسی جزء سے محروم ہیں، مثلاً جو اپاہج اور معذور ہوں، بیمار ہوں، کسی جسمانی قوت سے محروم ہوں یا کسی عضو سے بیکار ہوں، مالی نعمتوں کا شکریہ ہے کہ جو اس نعمت سے بے نصیب ہوں ان کو اس سے حصہ دیا جائے۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے۔ پیاسوں کو پانی پلایا جائے۔ ننگوں کو کپڑا پہنایا جائے۔ بے سرایوں کو سرمایہ دیا جائے،

قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد شکرِ الٰہی کا مطالبہ کیا گیا ہے

اس لئے ہر آیت میں اس شکر کے ادا کرنے کی نوعیت اسی نعمت کے مناسب ہوگی مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (فرقان - ۶)

بڑی برکت اس کی ہے جس نے آسمان میں برج بنائے۔ اور اس میں ایک چراغ اور اُجالا کرنے والا چاند رکھا۔ اور اسی نے رات اور دن بنایا کہ ایک کے بعد ایک آتا ہے اس کے واسطے جو دھیان رکھنا یا شکر کرنا چاہے۔

اس میں اپنی قدرت کی نعمتوں کا ذکر کرکے شکر کی ہدایت ہے، یہ شکر اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ اس قدرت والے کی قدرت تسلیم کریں اور دن کی روشنی اور چاند کے اجالے اور رات کے سکون میں ہم وہ فرض ادا کریں جس کے لئے یہ چیزیں ہم کو بنا کر دی گئی ہیں دوسری آیتوں میں ہے۔

... اَلرَّحِيْمُ الَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ، (سجدہ - ۱)

بڑے رحم والا جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور انسان کی پیدائش ایک گارے سے شروع کی پھر اس کی اولاد کو بے قدر نچڑے ہوئے پانی سے بنایا، پھر اس کو درست کیا اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونکا، اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے۔ تم کم شکر کرتے ہو۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل - ۱۱)

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا تم کچھ جانتے نہ تھے، اور تمہارے لئے کان، اور آنکھیں اور دل بنائے۔

ان آیتوں میں خلقت جسمانی کی نعمت کا بیان اور اس پر شکر کرنے کی دعوت ہے یعنی دل سے خدا کے ان احسانات کو مان کر اس کی ربوبیت و کبریائی اور یکتائی کو تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ جسے یہ زندگی دی اور اس زندگی میں ہم کو یوں بنا دیا۔ وہ ہمارے مرنے کے بعد دوسری زندگی بھی ہم کو دے سکتا ہے اور اس میں بھی ہم کو یہ کچھ عنایت کرسکتا ہے، اور پھر ہاتھ پاؤں سے اور آنکھ کان سے اس کے ان احسانات کا جسمانی حق ادا کریں، بعض اور آیتوں میں ہے۔

وَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ، (حج - ۵)

تو ان جانوروں کے گوشت میں سے کچھ آپ کھاؤ اور کچھ ان کو کھلاؤ جو صبر سے بیٹھا ہے یا محتاجی سے بیقرار ہے۔ اسی طرح ہم نے وہ جانور تمہارے قابو میں دیئے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (بقرہ - ۲۱)

اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو روزی دی پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور خدا کا شکر کرو۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (نحل - ۱۵)

تو خدا نے تم کو جو حلال اور پاک چیزیں روزی کیں ان کو کھاؤ اور اس کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔

یہ مالی نعمت کا بیان تھا اس کا شکریہ بھی خدا کو مان کر مال کے ذریعہ ادا کریں۔

دنیا میں شکریہ کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی محسن نے جس قسم کا احسان ہمارے ساتھ کیا ہو اسی قسم کا احسان ہم اس کے ساتھ کریں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے ساتھ اس قسم کا کوئی شکریہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس تیسری قسم کے شکریہ کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ جو احسان فرمایا ہو اسی قسم کا احسان ہم اس کے بندوں کے ساتھ کریں، اسی نکتہ کو اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کے ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص - ۸)

اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی تو بھی بھلائی کر۔

اسی کا نام خدا کو قرضہ دینا بھی ہے ظاہر ہے کہ خدا نعوذ باللہ محتاج نہیں کہ اس کو کوئی قرضہ دے خدا کو قرض دینا یہی ہے کہ اس کے ضرورتمند بندوں کو یا قابلِ ضرورت کاموں میں روپیہ دیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

(بقرہ - ۳۲ - وحدید - ۲)

کون ہے جو خدا کو اچھا قرض دیتا ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (حدید ۲ و مزمل ۲)

اور خدا کو قرض حسنہ دو،

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (تغابن - ۲)

اگر خدا کو قرض حسنہ دوگے۔

خدا کو قرض حسنہ دینے کی جو تفسیر اوپر کی گئی، اس کی روشنی میں اس حدیث کو پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن خدا فرمائے گا۔

"اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو تے میری بیمار پرسی نہ کی، بندہ کہے گا اے میرے پروردگار

تو تو جہان کا پروردگار ہے میں تیری بیمار پرسی کیسے کرتا، فرمائیگا، کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تونے اس کی پرسش نہ کی اور اگر کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر خدا فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کریگا اے میرے پروردگار تو تو سارے جہان کا رب ہے، میں تجھے کیسے کھلاتا، فرمائے گا، تجھے معلوم نہ ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اس کو نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھلاتا تو اس کا بدلہ آج میرے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ کہے گا اے میرے پروردگار تو تو سارے عالم کا پروردگار ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا، فرمائیگا، میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو نہیں پلایا۔ اگر تو اس کو پلاتا، تو آج تو اس کو میرے پاس پاتا۔[1]

اس تشریح سے معلوم ہوگا کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا جانی اور مالی شکریہ ہم کو کس طرح ادا کرنا؟ اور اس کا قرض ہم کو کیونکر اتارنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بار بار تقاضا اس لئے بھی کیا ہے کہ ہم یہ سمجھنے لگیں کہ خدا کے فضل وکرم کے سوا ہم ان نعمتوں کا استحقاق خود بھی رکھتے تھے، حالانکہ ان کے لئے نہ کوئی ہمارا خاندانی استحقاق تھا، نہ کوئی ہمارا ذاتی علمی یا عملی، جو کچھ ملا اس کے فضل وکرم سے ملا۔ اور جو کچھ ملے گا وہ اسی کی عطا اور بخشش ہوگی۔ انسان اپنی روزمرہ کی متواتر بخششوں کو جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہیں دیکھ کر، اور ان کے دیکھنے کا عادی ہوکر یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے ساتھ اللہ کی یہ کوئی بخشش نہیں بلکہ فطرت کی عام بخشش ہے جس کے شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں، مگر خوب سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ بیج ہے جس سے کفر اور الحاد کی کونپلیں نکلتی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی ایک ایک عنایت اور بخشش کو گنوایا ہے اور اس پر شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ ربوبیت الٰہی کا یقین اس کے ایمان کے بیج کو سیراب کرے اور بارآور بنائے۔

دولت ونعمت پانے کے بعد انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ عام انسانوں سے کوئی بلند برتر ہے اور جو اس کو ملا ہے وہ اس کا خاندانی حق تھا یا اس کے یہ ذاتی علم وہنر کا نتیجہ تھا جیسا کہ قارون نے کہا تھا، یہی غرور ہے جو ترقی کرکے بخل اور ظلم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی اور ارشاد ہوا،

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ، (حدید-۳)

(اور تاکہ جو خدا نے تم کو دیا اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پیار نہیں کرتا جو خود کنجوس ہیں، اور لوگوں کو کنجوس بننے کو کہتے ہیں، اور جو (اللہ کی بات سے) منھ موڑے گا (تو اللہ کو کیا پروا) وہ تو دولت سے بھرپور اور حمد (یعنی حسن وخوبی) سے مالامال ہے، وہ اپنی ذات سے نہ تو انسانوں کی دولت کا بھوکا ہے کہ وہ تو غنی ہے، اور نہ ان کے شکرانہ کی حمد کا ترسا ہے کہ وہ تو حمید یعنی حمد سے بھرا ہوا ہے، خدا نے انسانوں پر جو تو بر تو نعمتیں اتاری ہیں وہ اپنی لگاتار بخششوں سے ان کو جو نواز رہے اس سے یہی مقصود ہے کہ وہ اپنے اس محسن کی قدر پہچانے، اس کے مرتبہ کو جانے، اس کے حق کو مانے اور اس کی نعمت وبخشش کا مناسب شکر اپنے جان ومال ودل سے ادا کرے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ (ابراھیم-۲)

اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم کو اور بڑھاؤں گا، اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

کَذٰلِکَ نَجْزِیْ مَنْ شَکَرَ (قمر-۲)

ہم اسی طرح اس کو جزا دیتے ہیں جس نے شکر کیا۔

وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ (آل عمران-۱۵)

اور ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک شکر ہی کا جذبہ پیدا ہوجائے تو دین ودنیا میں بھلائی کیلئے اس کو کسی اور کو تنبیہ کی ضرورت نہ ہو، وہ خدا کی نعمتوں کی قدر جان کر اس کو مانے گا۔ اور اس کے حکموں پر چلے گا۔ اور اس کے بندوں کے ساتھ شکرانہ میں بھلائی کریگا اور خود بندوں کے احسانات کے جواب میں بھی ان کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرے گا، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپس میں ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ شکر گذاری کے جذبہ کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کی شکر گذاری کا معیار مقرر فرمایا ہے، ارشاد ہوا۔ مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرِ اللّٰہَ (ترمذی کتاب البر والصلۃ) یعنی جو انسان کا شکر ادا نہ کرے گا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہ کریگا۔ اس حدیث کا ایک اور مطلب یہ ہے کہ جو انسانوں کے احسانوں کا شکریہ ادا نہ کرے گا تو خدا بھی اپنے احسانوں کا شکریہ اس سے قبول نہ فرمائے گا۔ •••

[1] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض،

انسان جب سچّے دل سے خدا سے ڈرتا ہے

شمس الحق ندوی

۱۸۳۱ء کے کسی مہینہ وتاریخ کو نمود صبح کے ساتھ دمشق کے سب سے بڑے اور اہم محلہ "حی المیدان" میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔ دل دھڑک رہے ہیں۔ خوف وہراس نے پورے محلہ کو مضطرب و بے چین کر رکھا تھا۔ کیا ہو؟ کیسے ہو؟ اپنے وقت کا ظالم و جابر، خود بیں ومتکبر بادشاہ جس کی تلوار دیکھنے بولنے سے پہلے اپنا کام کرتی ہے، وہ شیخ وقت سعید حلبی سے ملنے آرہا تھا۔ اس کا کبر وغرور آداب شاہی اور عوام کے استقبال کا عادی ہوچکا تھا۔ اور شیخ کا یہ حال کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کے سامنے ہیچ۔ شیخ سجدۂ تکریم واستقبال تو کجا شاہ کی طرف ایک عام انسان کی حیثیت سے بھی نظر التفات نہ فرمائیں گے۔ معتقدین نہ شیخ کو آداب شاہی بجالانے پر آمادہ کر سکتے تھے نہ شاہ کو روکنے اور نہ آنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ اب کیا ہوگا؟ لوگ حیران ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ شیخ کا تو کچھ نہ بگڑے گا، لیکن شاہ تک پہونچنے اور مشورہ دینے کی مجال کسے تھی اور ہو بھی تو محل شاہی تک پہونچنے اور مشورہ دینے کی مجال کسے۔ لاؤ لشکر کا ہجوم ہے جو جائے نہ شاہ تک پہونچے، نہ زندہ واپس آئے۔ شیخ سے کچھ کہیں تو کیا اور کیسے، شیخ ہزار بادشاہوں سے زیادہ خوددار اور ماسوا اللہ کی ہر قوت وطاقت سے بے نیاز۔

عقل وخرد کوئی مشورہ نہ دے سکے، شہر میں آرائش وزیبائش شروع ہوگئی، استقبال کی تیاری میں جگہ جگہ گیٹ بننے لگے، پرچم لہرائے جانے لگے۔ چمنوں کے پھول توڑے جانے لگے کہ شاہ کے لئے فرش راہ کئے جائیں گے، شاہ پر پھول برسائے جائیں گے۔

باہر شہر ومحلہ میں ہنگامہ ہے بھاگ دوڑ ہے، آرائش وزیبائش ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک بوریہ نشین ہر طرف سے بے نیاز ہوکر اصلاح وتزکیہ کی مجلس جمائے بیٹھا ہے، دل ہیں کہ کھنچے آرہے ہیں، شام ہونے کو آئی، استقبال کی تیاریاں مکمل ہوچکیں، شاہ کی آمد آمد ہے، نہایت تزک احتشام، شوکت ودبدبہ کے ساتھ فوج وسپاہ اور حاشیہ نشینوں کے جلو میں شاہی سواری محلہ میں داخل ہوتی ہے بادشاہ مسجد کے چھوٹے سے دروازے پر آکر رک جاتا ہے، مسجد کا دروازہ بزبان حال گویا ہوتا ہے کہ تم لوٹ جاؤ یا اپنے ناز وکبر کا لباس اتار کر ایک متواضع اور خاکسار انسان کی طرح داخل ہو، تمہارے گھمنڈ وغرور کے لئے میرا دامن تنگ ہے، اسلامی مساوات میں جاہلیت کی ان باتوں کی کوئی گنجائش نہیں نبی رحمت نے چھوٹے بڑے اور شاہ وگدا کے فرق کو مٹایا۔ بادشاہ ذرا رکا، کچھ سوچا اور سوچ کر اپنے حاشیہ نشینوں کو ہٹا کر تنہا مسجد میں داخل ہوگیا شیخ مسجد میں پڑے ہوئے ایک گدے پر بیٹھے پاؤں پھیلائے ہوئے حاضرین کو ایمان ویقین خدا کی بڑائی وقدرت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمارہے تھے کہ انسان جب سچے دل سے خدا سے ڈرتا ہے تو دنیا کی ہر شے اس سے ڈرتی ہے۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا کلمہ "اللّٰہُ اَکْبَرْ" ہر بڑے کو چھوٹا بنا دیتا ہے۔ ہر قوی کو کمزور وناتواں بناتا ہے اس لفظ میں عجیب گہرائی تاثیر ومعانی پنہاں ہیں مگر افسوس کہ آج کا مومن صرف الفاظ کو دہراتا ہے معانی کو دل میں نہیں اتارتا نہ اعتماد کرتا ہے۔

مسلمان پنجوقتہ نمازوں میں اس لفظ کو کئی بار پڑھتا اور زبان سے ادا کرتا ہے کہ دنیا میں خدا سے بڑا کوئی نہیں، جس کا خدا سے معاملہ صحیح ہے۔ وہ کسی بھی قوت وطاقت سے نہیں ڈرتا، درندے ہوں کہ انسانی طاقتیں یا کہ بیماریاں ومصائب! اگر مومن ان الفاظ کو کہتے وقت معانی پر غور کرتا اور اعتماد کرتا تو ذلت وبزدلی، کاہلی وکم ہمتی کا اس کے پاس سے گذر نہیں ہوتا۔

شیخ کا جملہ ختم نہ ہو پایا تھا کہ حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ اگر آپ کو بادشاہ قتل کردے یا بیماری سے جانبر نہ ہوسکے تو! شیخ نے فرمایا واہ! تم نے خوب کہی کیا مسلمان قتل سے ڈرتا ہے یا موت کو ناپسند کرتا ہے، موت مشکل اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی لذات سے رشتہ کاٹ دیتی ہے، دنیا کا نقصان نظر آتا ہے، مگر موت کا یہ مفہوم کافر کے نزدیک ہوتا ہے جس کا منتہائے نظر صرف دنیا ہے۔

رہا وہ مومن جو یہاں آخرت کے لئے تیاری کر رہا ہے اور مسافر کی طرح رخت سفر باندھنے میں لگا ہوا ہے وہ اس طرح کوچ کا منتظر ہے جیسے مسافر ٹرین کا منتظر ہوتا ہے۔ اس کے پاس جب موت آتی ہے اور اس دنیا سے چلتا ہے تو اسی ذوق وشوق کے ساتھ چلتا ہے جیسے پردیس سے آنے والا اپنے اہل وعیال اور متعلقین کا مشتاق ہوتا ہے، دوست واحباب کا مشتاق ہوتا ہے جس شخص کا یہ معاملہ ہو وہ موت کو موت نہیں سمجھتا

بلکہ نئی زندگی کا آغاز تصور کرتا ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے سب سے بہتر شہادت یہ ہے کہ انسان ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے اور قتل کردیا جائے۔

بادشاہ شیخ کی مجلس کے ایک طرف کھڑا ایک بھوں چڑھائے غصہ سے بیتاب شیخ کا ایمان ویقین سے بھرا ہوا یہ وعظ سن رہا تھا۔ شیخ نے اس پر ایک نظر ڈالی بالکل اسی طرح جیسے وہ ایک عام آدمی کی طرف دیکھتے ہیں شیخ پر ادنیٰ تأثر نہ ہوا۔ بادشاہ کی آمد کی حیثیت ان کے نزدیک وہی تھی جو ایک عام آدمی کی ہوتی ہے، بادشاہ کھڑا ہے نہ کوئی استقبال کے لئے اٹھتا ہے نہ لوگ صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس غریب کو یہ خبر نہ تھی کہ شیخ نے ان کو اس منزل پہ پہونچا دیا ہے، جہاں سے وہ دنیا کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے انسان جہاز سے زمین کی طرف دیکھتا ہے کہ جہاز سے ہر شے چھوٹی ولاشئے نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کو بادشاہ چیونٹی کی طرح نظر آرہا تھا۔ کیا چیونٹی کا بھی کوئی استقبال کرتا ہے؟

بادشاہ نے مجلس پہ نظر دوڑائی اس کی شیخ پہ نظر پڑی تو پاؤں پھیلے ہوئے اور رُخ بادشاہ کی طرف ہے۔ یہاں اس کے کبر وغرور کو اور ٹھیس لگی۔ اس نے پھر مجمع پر نظر ڈالی۔ کہ کوئی ہے کہ اس فقیرِ بے نوا کی گستاخی پر تلوار کھینچ لے اور اس گستاخ پاؤں کو کاٹ کر بادشاہ کا تقرب حاصل کرے۔ بادشاہ جو سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اپنی مادی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ابھی تک اس کو معنوی بصیرت حاصل نہیں ہوئی تھی وہ اپنے لاؤ لشکر اور محل وتخت کے سامنے شیخ کی چٹائی کو ہیچ سمجھ رہا تھا۔ اور اس زعم میں تھا کہ اس کی تلوار کے سامنے یہ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

ابھی تک اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں بالکل ایسے ہی جیسے کسی شیر کی کچھار میں بم پڑا ہو وہ اس کے پاس سے گذرے اور خاطر میں نہ لائے اور روندتا ہوا آگے بڑھنے کی کوشش کرے کہ بم پھٹے اور اس کے پرخچے اڑجائیں۔

شیخ کی زبان سے بھی بم برسنے شروع ہوئے فرمایا کہ انسان بھی خدا کی کیسی حیرت انگیز مخلوق ہے کہ اس کے اندر فرشتہ اور شیطان دونوں کی صفت رکھ دی ہے، جو شخص ہوا وہوس اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ جانور جیسا ہے جو بلا تمیز کھاتا پیتا ہے اور اپنی خواہشات پوری کرتا ہے۔ جو شخص حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا نہ گناہ وپاپ کا خیال رکھتا ہے۔ وہ شیطان ہے۔ اس سے بہتر تو بچھو اور نجاست کھانے والا کیڑا ہے کہ یہ تو مر کر مٹی میں مل جائیں گے اور یہ انسان جہنم میں جائے گا۔

حقیقی معنوں میں انسان وہ ہے جو دنیا میں مدرسہ کے طالب علم کی طرح زندگی گذارتا ہے جہاں زندگی گذارنے کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔

خدا کی قدرت عجیب وغریب ہے کہ اس نے انسان کے اندر ایک ایسا فرشتہ رکھ دیا جو گمراہی وبے راہ روی کے وقت اس کو متنبہ کرتا ہے اور راہِ راست پر لاتا ہے، یہی ملکوتی صفت واعظ کے وعظ کا اثر قبول کرتی ہے بقول شاعر ؎

لا تنتهي النفس عن غيها
ما لم يكن منها لها زاجر

(نفس انسانی گمراہی وبے راہ روی سے اس وقت تک باز نہیں آسکتا جب تک کہ خود اس کے اندر متنبہ کرنے والی قوت وصلاحیت ملکوتی صفت نہ موجود ہو)

یہی جنت میں اس کا صلہ ہے جنت محض خواہش وتمنا سے حاصل نہیں ہوسکتی اس کے لئے محنت وکد وکاوش اور عمل درکار ہے جو طالب علم اپنا وقت کھیل تماشوں میں ضائع کرے اور امتحان میں کامیابی کا آرزومند ہو تو کیا محض آرزو سے کامیاب ہوسکتا ہے، جو شکاری اپنی بندوق پھینک دے چلائے نہیں، جال کو ڈال دے لگائے اور نہ بچھائے نہیں پھر وہ شکار کا آرزومند ہو تو کیا ممکن ہے کہ محض اس کی تمنا ہرن کو پکڑ کر اس تک پہونچا دے، یا مچھلی خود نمک مرچ لئے ہوئے حاضر ہو کہ لو بھونو اور کھاؤ۔

ایک شخص نے کہا دل سخت ہوگئے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے، شیخ نے فرمایا۔ کہ شیطان کا داؤں اس وقت چلتا ہے جب وہ انسان کو یہ باور کرادیتا ہے کہ وہ درجۂ کمال کو پہونچ گیا ہے لہٰذا تم اپنے کو ناقص ہی تصور کرو صحت ومرض، رنج وخوشی ہر حال میں ذکر خداوندی میں مصروف رہو، ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ جب ان کے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کے ازالہ کی فکر کرتے وہ اسپتال جاکر یا قبرستان پہونچ کر نفس کو مرض وموت کا خوف دلاتے۔ مومن جب تک خوف ورجا کی کیفیت میں رہتا ہے، بہتری میں رہتا ہے۔ اور اگر خوف ورجا کی کیفیت اس میں سے ختم ہوجاتی ہے تو وہ تباہ ہوجاتا ہے۔ بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ چراغ کی لو کے پاس لے جاتے اور نفس سے مخاطب ہوکر کہتے کہ تم اس کو برداشت نہیں کرسکتے تو جہنم کے عذاب کو کیسے برداشت کروگے،

مومن کے دل میں جب کوئی برائی کا جذبہ یا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کو جنت کی نہروں سے بجھا دیتا ہے، یا جہنم کی آگ سے جلاکر نجات حاصل کرلیتا ہے۔

اگر عقل ودانش نہ ہو تو انسان کی حیثیت ہی کیا۔ تاہم اگر عقل رہبر ایمان نہ ہو تو عقل تمام

بولہب عشق تمام مصطفٰے اس کے بغیر انسان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے وجود کی ابتدا ایک ناپاک قطرے سے ہوئی اور انتہا ایک نہایت متعفن اور بدبودار لاشہ ہوگا۔

بادشاہی کا ایک نشہ ہوتا ہے جس شخص کو اس کی حکومت اور لوگوں کا غلبہ اسے نشہ میں ڈال دے تو وہ خدا کے سامنے اپنی ذلت ورسوائی اور اصل حقیقت کو یاد کرے، خداوند عالم نے تو نمرود جیسے متکبر وجابر بادشاہ کو مچھر جیسی کمزور مخلوق سے ہلاک کیا۔ اس پتلۂ خاکی کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اس کا انجام بھی مٹی ہی ہوگا۔

شیخ کی گفتگو کے دوران بادشاہ ایسا محسوس کر رہا تھا کہ وہ صندوق میں بند ہے پھر جب اسے تنبہ ہوا، اور آنکھیں کھلیں تو اس نے ایسا محسوس کیا کہ تر وتازہ ہواؤں کے جھونکے عطر پاشی کر رہے ہیں، وہ سخت تاریکی میں ہے اور شیخ بصفت آفتاب اس پر روشن ہوئے اس کا اپنا وجود اپنی نگاہوں میں ہیچ نظر آنے لگا۔ وہ دو زانو بیٹھ گیا۔ اور اب اپنے کو مجلس کے ہر فرد سے کمتر اور کم مایہ سمجھنے لگا کہ انھیں شیخ سے زیادہ قرب حاصل تھا۔ اب شیخ کے پھیلے ہوئے پاؤں تیر بن کر اس کی نگاہوں میں چبھ نہیں رہے تھے بلکہ اب تو اپنے کو ڈوبتا ہوا اور شیخ کے پاؤں کو سہارا تصور کر رہا تھا۔ اب شیخ اس کی نگاہوں میں بالکل بدل گئے۔ اب اسے شیخ کی ذات میں حقیقت انسانیت نظر آرہی تھی۔

جب بادشاہ یہاں سے واپس ہوا تو شیخ کو ایک تھیلی بھیجی جس میں خالص سونے کے ایک ہزار دینار تھے جب قاصد نے تھیلی شیخ کے سامنے رکھی تو شیخ مسکرائے۔ اور فرمایا کہ اپنے آقا کو میرا سلام کہو۔ اور کہو کہ جو شخص پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت

صحیح بخاری میں ایک آیت کے تحت میں بروایت ابو درداءؓ نقل کیا ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر چلے گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کو منانے کے لئے چلے مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا، یہاں تک کہ اپنے گھر میں پہنچ کر دروازہ بند کرلیا مجبوراً صدیق اکبر واپس ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ادھر کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور یہ بھی گھر سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنا واقعہ عرض کیا، ابو درداءؓ کا بیان ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے، جب صدیق اکبرؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ پر عتاب ہونے لگا۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ زیادہ قصور میرا ہی تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ میرے ایک ساتھی کو اپنی ایذاؤں سے چھوڑ دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب میں نے باذن خداوندی یہ کہا کہ "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا"

(اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں۔)

تو تم سب نے مجھے جھٹلایا صرف ابوبکرؓ ہی تھے جنھوں نے پہلی بار میری تصدیق کی۔

(قصص معارف القرآن ص ۱۳۶)

نئی صدی کے دو بیش بہا تحفے

۱۔ خطباتِ مفکرِ اسلام (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

اوّل =/120 دوم =/120 سوم =/120 چہارم =/120

۲۔ مقالاتِ مفکرِ اسلام (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

اوّل =/120 دوم =/120

نوٹ: اپنے کسی کتب فروش سے طلب کریں۔ یا ہمیں لکھیں،

پتہ: مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷،

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

رسالت کے سائے میں

بُرے چرچے کے اچھے نتائج

• امین الدین شجاع الدین

بات اسلام کی دعوت کے ابتدائی دور کی ہے قریش کے وفد نے ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت سے باز رکھیں، سیرت کی کتابوں میں ابوطالب اور قریش کے معروف سرداروں نیز ابوطالب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین گفتگو کی تفصیل درج ہے جو بتاتی ہے کہ بالآخر قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے ابوطالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے تحفظ دے دیا کہ بھتیجے جاؤ جو کہتے ہو کہتے رہو، میں کسی حال میں تم کو (بے یار و مددگار) نہیں چھوڑوں گا۔

یہ بات مکہ کے ہر دوسرے قبیلہ کے سردار کے مفاد میں تھی کہ وہ ابوطالب کی سرداری کے حقوق کا احترام ملحوظ خاطر رکھے۔ اس صورت میں ان کے لئے حضور اکرمؐ پر حملہ کرنا ممکن نہ تھا اس لئے انھوں نے طے کیا کہ جن جن قبائل میں لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اس قبیلہ والے خود ان مسلمانوں کو سزا دیں۔ اذیت رسانی کا یہی وہ دور ہے جس میں حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر، اور حضرت خبابؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹانے کے روح فرسا واقعات پیش آئے۔ مگر ان سب کے باوجود اسلام کی روشنی تھی کہ پھیلتی جاتی تھی اور اجالا تھا کہ بڑھتا جاتا تھا۔ نہ ظلم و ستم ہی اس میں مانع بن رہا تھا اور نہ لالچ کا حربہ ہی کارگر ہو رہا تھا۔ رات کے رشتے دار خوفزدہ تھے کہ یہ نور تو بالآخر ظلمتوں کو چھانٹ ہی دے گا۔

حج کا موسم سر پر تھا۔ سارے عرب سے زائرین مکہ آنے والے تھے۔ اگرچہ قریش میزبانی کے ذوق کے حامل تھے مگر اس مرتبہ وہ عجیب مخمصے میں تھے۔ اس لئے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہو چکا ہے۔ حج کے موقع پر جب قبائل جمع ہوں گے تو وہ اس کی تحقیق کریں گے اور نتیجہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام تمام قبیلوں میں پھیل جائے۔ چنانچہ قریش ولید بن مغیرہ کے پاس آئے۔ تاکہ مشورہ کیا جا سکے کہ وہ کون سی تدبیر اختیار کی جائے جس سے اسلام کی دعوت و اشاعت کا سلسلہ تھم جائے۔

قریش خوب سمجھتے تھے کہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کافی نہیں ہوگا بلکہ ایسا کرنا تو قبیلوں کو دعوتِ فکر دینے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے اس کے علاوہ کچھ اور بھی کہنا چاہیئے۔ چنانچہ سب سر جوڑ کر بیٹھے کہ آخر" اور کچھ "کیا کہا جائے۔ قریش نے کہا ہم لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ہیں۔ ولید نے جواب دیا کہ واللہ وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ ان کے اور محمدؐ کی باتوں میں کوئی مناسبت نہیں، قریش نے کہا کہ ہم آپ کو مجنوں کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ کیا ہم لوگوں نے مجنون نہیں دیکھے؟ قریش نے کہا کہ اچھا ہم محمدؐ کو شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم شعر خوب جانتے ہیں۔ محمدؐ کا کلام شعر ہرگز نہیں ہے، قریش نے کہا کہ تو پھر ہم سب ان کو ساحر کہیں گے۔ ولید نے کہا کہ ہم نے ساحروں کو بھی دیکھا ہے۔ گویا ولید کے نزدیک یہ سارے الزامات بے وزن اور سارے تیر خطا کر جانے والے تھے۔ قریش نے ولید سے کہا کہ تم ہی بتاؤ کہ آخر کیا کہا جائے۔ ولید نے جواب دیا کہ واللہ! اس کلام میں لذت ہی کچھ اور ہے۔ اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سب غلط اور بے بنیاد ہے۔ لیکن اس وقت اقرب اور مناسب یہی ہے کہ ہم سب کو مل کر کہنا چاہیئے کہ محمدؐ ساحر ہیں، جادوگر ہیں۔ اس لئے ان سے ہر قیمت پر دور رہیں۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساحر اور جادوگر ہیں" — یہ تھی وہ افترا پردازی جس پر ولید کے مشورہ سے سب متفق ہو گئے۔ چنانچہ مشترکہ حکمت عملی یہ طے ہوئی کہ بیرون شہر سے مکہ کو آنے والے تمام راستوں پر آدمی مقرر کر دیئے جائیں جو آنے والے زائرین کو خبردار کرتے رہیں کہ وہ محمدؐ سے ہوشیار رہیں۔ چنانچہ بڑے جوش و جذبہ اور اعتماد و حوصلہ کے ساتھ اس منصوبہ پر عمل کیا گیا، مگر اسلام اور اس کے نام لیواؤں کا نصیبہ تو کچھ اور ہی تھا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ قریش کا یہ منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اور اسی موقع پر حضرت ابوذرؓ و حضرت طفیلؓ ہی کا نہیں بلکہ ان کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے قبیلہ بنی غفار اور قبیلہ دوس کا بھی نصیبہ جاگ اٹھا۔ اور انھوں نے اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں پناہ لی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

اللہ اس پر قادر ہے کہ شر سے خیر کے چشمے پھوٹ پڑیں اور بُرے چرچے کے اچھے اور خوشگوار نتائج برآمد ہو جائیں البتہ رجوع و انابت الی اللہ شرط ہے۔ دشواری کے ساتھ آسانی رکھ دی گئی ہے لیکن اس کی تدبیر وہی ہے جو نبی پاکؐ کو بتائی گئی تھی وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝ کی تدبیر "اپنے رب کی طرف دل لگاؤ"۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عبدالکریم پاریکھ

فکری ربط و اصلاحی تعلق مکاتیب کے آئینہ میں

• مولانا محمد عبدالمجیب ندوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴ء - ۱۹۹۹ء) کی شخصیت جامع صفات و کمالات تھی، ان کی بافیض علمی شخصیت نے ایک طرف بے شمار اصحابِ علم و تحقیق پیدا کئے، تو دوسری طرف ان کے روحانی فیض نے ہزاروں افراد کے دل کی سوکھی ہوئی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ علمی فیض ہو کہ روحانی تربیت۔ ان سے نسبت اور تعلق کی جو راہ، جس کسی نے اپنائی ہے اس نے اپنا دامن گوہر مراد سے بھر لیا۔

ان کی ذات میں علمیت و روحانیت کا ایسا امتزاج تھا کہ شخصیت کے یہی دو پہلو ان کی دعوت و فکر، علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور اصلاح و تزکیہ پر مشتمل جہد و عمل کا جلی عنوان بن گئے، اہل دل اور اصحاب علم و فضل کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے کہ وہ "دولتِ دل" لئے بیٹھے جہاں اپنی دکان آخرت سجاتے اور "انما انا قاسم واللہ یعطی" کی صدا لگاتے ہیں وہ جگہ "دل بیمار" کے لئے "چشمۂ حیواں" اور تشنگانِ علم کے لئے "منبع عرفاں" بن جاتی ہے، اور یہیں سے معرفت و محبت کی وہ شمع جلتی ہے جس کے نور سے دل آباد اور نگاہیں روشن ہوتی ہیں،

اف رے گرمیٔ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کر اٹھے

مولانا علی میاں ندویؒ کی بافیض صحبت کی سعادت جن لوگوں کو نصیب ہوئی ہے، ان خوش بختوں میں مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ مدظلہٗ بھی ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کے علمی، فکری اور اصلاحی ربط کی ابتداء ۱۹۵۰ء سے ہوتی ہے، وقت گذرنے کے ساتھ یہ رابطہ مستحکم اور تعلق مضبوط ہوتا گیا، اور سلوک و معرفت کی راہ سے محبت دل میں اترتی چلی گئی، واقعہ بھی یہی ہے کہ معرفت جتنی شدید ہوتی ہے محبت اتنی ہی زیادہ گہری ہوتی ہے، چنانچہ آج بھی مولانا پاریکھ مختلف اعتبار سے اپنے مصلح اور "مرشد روحانی" کی فکر و دعوت کے نہ صرف امین و نقیب ہیں، بلکہ فکر و عمل کا جو چراغ مولانا علی میاںؒ نے جلایا تھا، اس کی لو کو تیز کرتے ہوئے روشنی کو عام کرنے والوں میں وہ بھی امتیازی مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔

مولانا پاریکھ ہندوستان کے ان ممتاز اہل علم میں سے ہیں جن کی فکر و رائے ہمیشہ توازن، اعتدال بلند نگاہی اور وسیع المشربی کی آئینہ دار رہی ہے، ملی امور ہوں کہ اجتماعی مسائل، معاشرتی اصلاح ہو یا خاندانی نظام کی درستی، ہر موضوع پر وہ کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اور ان کی فکر و دعوت کو ہندوستانی مسلمان قدر کی نگاہوں سے دیکھتے آئے ہیں۔ وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں میں ہیں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کے رکن ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کورٹ کے ممبر بھی رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی متعدد تنظیموں اور اداروں سے ان کا تعلق ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں ان کی فکر و دعوت، ان کی شناخت بن جاتی ہے، ہندوستانی مسلمانوں کے بعض مسائل کے سلسلہ میں حکومت ہند یا غیر مسلم تنظیموں کے ساتھ گفتگو میں انھیں کلیدی درجہ حاصل رہا ہے چونکہ وہ ایک داعی دین کی حیثیت کے ساتھ ہندی اور سنسکرت زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں، اس اعتبار سے انھوں نے ہر موقع پر مسلم ملت کے ایک نمائندہ کی حیثیت سے دین و شریعت کی بھرپور ترجمانی کی ہے، حال ہی میں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے انھیں جو ملک کا باوقار اور اعزازی خطاب "پدم بھوشن" سے نوازا گیا ہے، وہ گویا ان کی سماجی خدمات کا سرکاری سطح پر "اعتراف" ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حقیقی اعتراف اور "حقیقی اعزاز" تو رب کائنات کے پاس حاصل ہوگا۔ تاہم مولانا پاریکھ نے اثر و رسوخ کو جس انداز میں ملی مفادات کے لئے استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں اور غیر مسلموں (بشمول حکومت) کے درمیان "رابطہ" کا فریضہ انجام دیا ہے، وہ یقیناً لائق تحسین ہے، وہ اپنے پیشہ کے اعتبار سے گو تاجر ہیں۔ لیکن بلاشبہ قرآن حکیم کی آیت (الصف: ۱۰) کے مصداق اخروی تجارت ہی ان کا مقصود حیات ہے، ان کی علم دوستی علماء نوازی، تواضع و انکساری اور مروت و شرافت قابل رشک ہے اور ان کی داعیانہ فکر، مومنانہ روح دینی حمیت اور ملی غیرت میں ان کے "مرشد روحانی" کا پرتو فیض نظر آتا ہے۔

مولانا پاریکھ کی شخصیت کا امتیازی پہلو قرآن مجید سے ان کا غیر معمولی شغف اور تعلق اور اس کی اشاعت کا جذبہ ہے "تشریح القرآن" کے نام سے انھوں نے قرآن مجید کا جو آسان اور عام فہم ترجمہ تحریر فرمایا ہے، وہ قرآن مجید سے ان کی عقیدت اور تعلق کا ترجمان ہے، اطمینان کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اکابر علماء و اصحاب نظر نے اس ترجمہ کو اعتبار کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ اردو کے علاوہ ہندی زبان میں بھی ان کا ترجمہ مقبول اور متعارف ہے، وہ ایک مخلص

داعی اور بلند پایہ خطیب بھی ہیں۔ ایک خاص دعوتی و قرآنی رنگ اور فکری آہنگ لی ہوئی ان کی تقریریں نہایت دل پذیر، پر کشش اور اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ گو وہ باضابطہ حافظ نہیں ہیں۔ لیکن قرآنی آیات کا ایسا استحضار اور بر موقع اور برجستہ آیات قرآنی کے استعمال میں انھیں جو درک و کمال حاصل ہے اس کی دور دور تک نظیر نہیں ملتی۔ اسے قرآن مجید کا اعجاز کہیے یا قرآن سے ان کے غیر معمولی شغف کی علامت کہ ان کی تقریر میں آیات قرآنی کا ایسا تسلسل رہتا ہے کہ وہ "آورد" نہیں بلکہ "آمد ہی آمد" معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے تفسیر قرآن کے علاوہ جو بعض کتابیں تالیف فرمائی ہیں، ان میں ترجمان لغات القرآن (انگریزی ہندی)، تفسیری خزانہ، تعلیم الحدیث ● قوم یہود اور ہم ● گائے کا قاتل کون؟ وغیرہ شامل ہیں، قرآن مجید کی نسبت سے انھوں نے "مجلس تعلیم القرآن ناگپور" بھی قائم کی ہے، اس کے زیر اہتمام کئی برسوں سے مولانا قرآن مجید کا درس دیتے آرہے ہیں، تفسیری حلقہ میں انھوں نے تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کے چھ سات دور بھی مکمل فرمائے ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریک "پیام انسانیت" کے وہ شروع ہی سے داعی، قوت بازو، رفیق راہ اور ترجمان رہے ہیں، اس سلسلہ میں غیر مسلم دانشوروں اور قائدین سے ملاقات تحریک کے تعارف اور خصوصیت کے ساتھ انسانیت کی صحیح ترجمانی و دعوت اور اس کی ضرورت اور وقفہ وقفہ سے ملک کے مختلف گوشوں میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کے ماحول میں انسانی اقدار کی حفاظت اور ملک کی سالمیت و بقاء کے لئے امن و سکون کی ضرورت کا احساس بیدار کرنے میں انھوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے، اس تحریک سے انھیں جو فکری ارتباط اور فکری مناسبت تھی، اسی کا اثر تھا کہ وہ "پیام انسانیت" کی اشاعت میں تحریک کی زبان اور مولانا کے ترجمان بن گئے۔

مولانا عبدالکریم پاریکھ جو مولانا علی میاںؒ کے دست گرفتہ اور مجاز بیعت ہیں، ابتداء ہی سے مولانا سے اصلاح اور استرشاد کا تعلق رکھتے آئے ہیں اسی دیرینہ ربط نے مرشد (راہ نیک بتانے والا رہنما) اور مسترشد (سیدھی راہ چلنے والا مرید) میں وہ ذہنی قربت اور فکری ہم آہنگی پیدا کر دی ہے کہ بہت کم ایسی قربت اور مماثلت دیکھنے میں آتی ہے اس کا اندازہ مولانا علی میاںؒ کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو اپنے مسترشد (مولانا پاریکھ) کے خطوط کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمائے اور اپنے تعلق خاطر اور مناسبت کا وقیع الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ مولانا کے یہ خطوط مفکر اسلام مرشد روحانی، مصلح امت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خطوط، مولانا عبدالکریم پاریکھ کے نام کے عنوان سے کتابی صورت میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں تقریباً (۲۲۱) خطوط ہیں۔ جنھیں تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، کتاب کے آغاز میں اردو و عربی کے ادیب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (مشیر رابطہ عالم اسلامی و معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کا وقیع مقدمہ بھی شامل ہے۔

مولانا پاریکھ کے نام مولانا علی میاںؒ کے ان خطوط میں نجی اور ذاتی احوال کا تذکرہ بھی ہے اور ملکی و ملی مسائل پر تبصرہ بھی، تحریک پیام انسانیت کو مؤثر بنانے کی ہدایات بھی ہیں اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی بعض سرگرمیوں کا ذکر بھی، داستان عرب بھی ہے اور قصہ عجم بھی، پند و موعظت بھی ہے اور علم و حکمت کا بیان بھی، اصلاح قوم و ملت کی تحریک بھی ہے اور اصلاح نفس کی تلقین بھی، دینی حمیت بھی ہے اور ایمانی حرارت بھی، حوادث کا تسلسل بھی ہے، اور زندگی کی روانی بھی، انسانیت کی غم خواری بھی ہے اور قوم و ملت کے لئے ہمدردی بھی، غرض کہ ان خطوط میں حال دل بھی ہے، احوال غم بھی ہیں اور کہیں شرح تمنا اور عرض شوق بھی ہے، مولانا ندویؒ کو مولانا پاریکھ سے جو حد درجہ محبت تھی اور جس طرح وہ انہیں اپنا ایک با اعتماد رفیق تصور کرتے تھے، ان کا لازمی تقاضا ہے کہ ان خطوط میں ایک گونہ بے تکلفی بھی پائی جاتی ہے جس کے باعث دلکشی اور دل پذیری کی ایک خاص کیفیت ان خطوط میں پیدا ہوگئی ہے، جو صنف مکتوب نگاری کی ایک بنیادی خصوصیت ہے اور اس اعتبار سے ان خطوط کی ادبی عظمت بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔

ذیل کی سطور میں ایک ترتیب کے ساتھ مولانا کے خطوط سے چند اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں، ان کے مطالعہ سے جہاں فکر و روح کو تازگی ملتی ہے وہیں فکری و اصلاحی تربیت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں اور ملک کے بعض احوال کی طرف اشارات بھی۔

٥ "آپ نے اپنے خط میں کچھ عرصہ تک معمولات کے چھوٹے رہنے اور براہ راست قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے محرومی کا ذکر کیا ہے، میں نے ایک دوست کو جن کے بیماری میں معمولات چھوٹے ہوئے تھے یہ کہہ کر تسکین دی تھی کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی بیماری یا معذوری کی وجہ سے کسی کے معمولات پورے نہ ہو رہے ہوں، تو فرشتہ کو حکم ہوتا ہے کہ اس کے سب معمولات اس کے اعمال نامہ میں لکھے، میں نے کہا کہ یہ بڑی بشارت ہے۔ اس لئے کہ اگر فرشتہ لکھے گا تو عمدہ اور مکمل شکل میں لکھے گا۔ اور اس میں مریض کا زیادہ فائدہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدخط یا کم پڑھا لکھا آدمی کسی دوسرے سے کہے کہ میری طرف سے خط لکھ دو، اور اس کا خط اچھا ہو تو وہ بگاڑ کر نہیں لکھے گا۔ اور غلطیاں نہیں کرے گا کہ وہ جس کی نیابت کر رہا ہے اس کا خط خراب تھا۔ اور وہ لکھنے میں غلطی کرتا تھا۔ اس لئے وہ فائدہ ہی میں رہے گا۔

نمازیں بھی اچھی سے اچھی ہوں گی اور تلاوت وغیرہ بھی" (صفحہ ۳۶)

٥ آپ نے صحیح لکھا ہے کہ امت کے پاس سب کچھ ہے مگر حکمت و دانشمندی کی کمی ہے، جذباتیت مزاج میں داخل ہوگئی ہے اور خیر خواہوں کی بات نہ ماننا طبیعت ثانیہ بن گئی ہے اس موقع پر قرآن مجید میں ایک نبی کے درد میں ڈوبے الفاظ اکثر یاد آتے ہیں کہ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ (صفحہ ۱۳۰)

٥ آپ کی تقریر ہر طرح سے متوازن و جامع ہے (جو تحفظ گائے اور ہندوستانی مسلمان" کے نام سے شائع ہو چکی ہے) حکومت کے ذمہ داروں اور ملک کے سیاسی رہنماؤں سے بالخصوص آر۔ ایس۔ ایس کے قائدین سے مل کر آپ جو خدمت انجام دیتے ہیں میرے دل میں اس کی پوری قدر ہے۔ غالب نے حالی کا کلام دیکھنے کے بعد کہا تھا کہ میں ہر ایک کو شاعری کر کے تضیع اوقات کرنے سے منع کرتا ہوں، مگر اگر تم شعر نہیں کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کرو گے۔ البتہ ایسے مواقع پر ایک تو نیت کی تجدید ضرور کر لیا کریں، حب جاہ اور تعریف و شہرت مقصود نہ ہو، اور دوران ملاقات ہی اپنے قلب کی حفاظت و چوکیداری کر لیا کریں، آپ نے قلب کی مشغولیت کا جو ذکر کیا ہے وہ بڑی دولت ہے۔ اس کی حفاظت کیجئے، حاسدوں اور مخالفوں کے لئے دعائے خیر کی عادت ڈالئے۔ اور اسی کو کام کی رسید سمجھئے" (صفحہ ۳۳)

٥ سنت اللہ ہے کہ کام کرنے والوں کی طرف رجوع ہو اور اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے کہلوائے جو ان کے حاشیہ خیال میں نہ ہو۔ اپنے اوقات کو ضرور منضبط کیجئے، اور ملاقات کا ایک وقت مقرر کر دیجئے، اور میری طرح کہہ دیا کیجئے کہ اگر حضرت خضر بھی آئیں تو ان کو بھی بٹھا لیا جائے "ہم فلاں وقت ہی مل سکتے ہیں"۔ (صفحہ ۹۹)

ملکی اور ملی احوال اور تحریک پیام انسانیت کے پس منظر میں لکھے گئے خطوط کے بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

٥ "الیکشن میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے جس بے شعوری و بے حسی کا مظاہرہ کیا اس سے دل زخمی ہو گیا اور حوصلے پست ہو گئے کہ اس قوم سے کیا امید رکھی جائے؟ آپ اپنا کام جاری رکھیں، کچھ امید ہوتی ہے تو اسی دعوتی کوشش اور قرآن کی اشاعت سے ورنہ سیاست کا میدان تو بالکل مسدود نظر آتا ہے" (صفحہ ۶۵)

٥ "آج کل قادیانیت کے فتنہ نے سر اٹھایا ہے اور جگہ جگہ سے ان کی سرگرمی کی خبر آرہی ہے، راقم سطور اسے عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ اور اسلام کے خلاف ایک گہری سازش سمجھتا ہے، امید ہے کہ ہمارا نیا رسالہ "قادیانیت کا ظہور" آپ کو پہنچا ہوگا (صفحہ ۳۵۲)

آپ کی موجودگی اور نسبت سے اللہ تعالیٰ نے ناگپور کو اس فتنہ سے بچا لیا۔ مگر معلوم نہیں وہ شخص (قادیانی مبلغ) کسی اور شہر کو مرکز بنائے۔ آپ اس پر بھی نظر رکھیں" (صفحہ ۳۵۶)

٥ "آپ کا علی گڈھ کا ایک سفر بہت ضروری اور مفید ہے۔ اس وقت وہاں بڑا داخلی فتنہ پھیلا ہوا ہے اور قرآن کی رہنمائی اور ایک ٹوٹے ہوئے دل کی آواز اور فریاد ہی کچھ اثر ڈال سکتی ہے، آپ اس کو ذہن میں رکھیں اور دعا کرتے رہیں"۔ (صفحہ ۲۷۹)

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد قریبی ایام میں لکھی گئی یہ تحریر ملاحظہ ہو۔

٥ کل ہی آپ سے فون پر بات ہوئی اب خط میں لکھنے کی کوئی نئی چیز نہیں ہے ہمارے آپ کے طریق فکر میں الحمد للہ ایسا توارد اور اتفاق ہے جو کم دو شخصوں میں ہوتا ہے۔ تازہ انٹرویو جو۔ یو۔ این آئی کی طرف سے لیا گیا تھا۔ انگریزی اخباروں میں شائع ہوا ہے شاید نظر سے گزرا ہو۔ اس وقت ضرورت تھی کہ ہم آپ ارجن سنگھ اور ایسے چند جری اور صاف دماغ سے سوچنے والوں سے ملیں اور ان کو اس پر آمادہ کریں کہ میدان میں آئیں۔ اور گاندھی جی کی طرح مہم چلائیں، ملک کا دورہ کریں اور جابجا جلسے کریں۔ (صفحہ ۲۸۱)

٥ اس وقت ہمارے دعوتی کاموں میں بالخصوص اس کام میں جو اب صرف میرے ہی دل کا تقاضا اور دماغ کا مطالبہ رہ گیا ہے (یعنی پیام انسانیت) آپ ہی قوت بازو اور واحد ترجمان ہیں۔ شاید ہی کوئی اور اس کی اہمیت و ضرورت سمجھتا ہو۔ آج نہیں تو کچھ عرصہ بعد لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کام میں مسلمانوں کی تاخیر کتنے سنگین نتائج کی حامل اور زریں موقع کھونے کے مترادف ہے، مسلمان سیکولر حکومت میں ان ہی خطوط پر ملک کو بھی بچا سکتے ہیں اور اپنے دین کا بھی جھنڈا بلند کر سکتے ہیں۔ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ (صفحہ ۱۲۵)

٥ "انسانیت کا پیام" نقار خانہ میں طوطی کی آواز کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ جو کچھ امید ہے وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو مکمل طریقہ پر برباد ہونے نہیں دے گا۔ (صفحہ ۷)

حالات روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ بہت دور ہیں اور ہم بہت معروف۔ ایک مرتبہ تو آواز لگا دیتے اور ملک کو ہلا دینے کا جی چاہتا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ایک کام کے جو آدمی تھے انھوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ دو ایک شکل سے ہیں وہ معروف اور دور ہیں" (صفحہ ۱۶۰)

تحریک پیام انسانیت اور اس کے کاز سے مولاناؒ کو گہری دلچسپی اور فکر تھی۔ بیشتر خطوط میں اس کی یاد دہانی اور اس طرف متوجہ ہونے کی تلقین موجود ہے۔ ایک خط میں مولانا نے لکھا ہے کہ "پیام انسانیت کی تحریک کو جاری رکھنے اور اس کے

آگے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے"۔

○ آپ سے ایک روحانی اور طبعی تعلق اور مناسبت ہے، الحمدللہ، انحطاط نہیں، ترقی ہے۔ آپ کے قرآن مجید کے ترجمہ اور ترجمانی سے اللہ کے بندوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ ایک نسخہ رائے بریلی میں محفوظ ہے۔ انشاء اللہ رمضان میں اس سے استفادہ کیا جائے گا۔ برابر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وقت کا اہم ترین اور نازک ترین کام آپ سے لے۔ (صفحہ۔ ٣٠٤-٣٠٥)

مکاتیب کے اس سرسری مطالعہ سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ملت کے سچے خدمت گذار رہبر اور بہی خواہ اپنے سینہ میں ملت کا درد رکھتے ہیں، اور اس کی کسک کو برابر محسوس کرتے ہیں، اور ملت اور اس کی متاع، عقیدہ و ایمان کی حفاظت کے لئے گھلتے اور پگھلتے ہیں اور ہر آن یہی فکر ان کے قلب و دماغ اور اعصاب پر چھائی رہتی ہے، سطور بالا میں جن دو شخصوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے باہمی ربط و تعلق کا محور بھی عقیدۂ توحید کا تحفظ اور ملت کی سربلندی ہی ہے۔ مولانا یاریکھ اور ان کی شخصیت کا کمال بھی فضل الٰہی کے بعد فیض ہے۔ اس باکمال مربی کی دعاؤں اور توجہات کا، جس نے اپنے عہد کے ارباب فضل و کمال کی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم اور اصحاب دل سے جن لوگوں کو فکری ربط اور قلبی تعلق ہوتا ہے۔ ان کی فکر جادۂ اعتدال پر قائم رہتی ہے اور ان کی علمی و عملی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے لوگوں نے عہد رواں میں فراموش کر دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل کا فقدان نظر آتا ہے۔ اور کہیں فکر عدم توازن کا شکار رہتی ہے، علم میں رسوخ کے لئے اہل علم کی تربیت اور تزکیۂ قلب کے لئے اصحاب دل کی صحبت ناگزیر ہے، جن لوگوں نے اس راز کو پایا تھا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں

گلشنِ ایماں کی اب وہ خوشنوا کوئل نہیں

● سلطان ذوق ندوی چاٹگامی

دل کے ٹکڑے ہو گئے سینہ میں اب وہ دل نہیں
مشکلیں اتنی پڑیں کہ اب کوئی مشکل نہیں
جام و صہبا ہیں اداس اور میکدہ ویراں ہوا
غم کا دریا بہ گیا جس کا کوئی ساحل نہیں
اب کدھر جائیں گے یہ صحرانشیں اہلِ جنوں
راہرو سرگشتہ ہیں اور راہبر کامِل نہیں
شیخ ندویؒ عصر حاضر کے مجدد چل بسے
گلشنِ ایماں کی اب وہ خوشنوا کوئل نہیں
ششدر و حیراں ہے امت کیا عرب اور کیا عجم
کون ہے وہ دل جو تیرے زخم سے گھائل نہیں!
تیغ براں ہر جہالت پر تیری نوکِ قلم
تیرا موقف راہِ حق سے ذرہ بھر مائل نہیں
"سیرت نبویؐ" تری اور "سیرتِ احمد شہیدؒ"
کون ہے ایسا مؤلف ان سے جو ناقل نہیں؟
کاتب "تاریخ دعوت" "صاحب" "ماذا خسر"
کر چکے رحلت کوئی اس شان کا راحل نہیں
"اسمعوا منی صریحًا" "اسمعی یا سوریا"
"اسمعی یا مصر!" کا وہ جاں فزا قائل نہیں۔
لکھ گئے اپنے قلم سے "کاروانِ زندگی"
اور میر کارواں اب زینتِ محفل نہیں
حاملِ مفتاح کعبہ سیّد والا نسب
ایسے عالی شان رتبے تک کوئی داخل نہیں
ہیچ تھے تیری نگہ میں مال و منصب جائزے
گو کہیں، ترکِ سبب یوں شیوۂ عاقل نہیں
ہم مسلمانوں کو تیری ہر ادا محبوب تھی
گو کما حقہ ترے پیغام کے حامل نہیں
ساری امت پر تری شفقت کی اک چھاؤں رہی
ان کے سر پر آج رحمت کا وہی بادل نہیں
یورپ و افریقہ تک پھیلی ہے جس کی روشنی
نور افشاں وہ ہمارے درمیاں مشعل نہیں
قافلہ چلتا رہے گا علم و دانش کا مگر
تجھ سا کوئی رہ شناس و رہبر منزل نہیں
ساری دنیا کا سفر کر کے چلا آخر اُدھر
تیرا چہرہ اب بھی نظروں سے کہیں اوجھل نہیں
جمعہ سے پہلے بلایا حق نے کس انداز سے
موت کی شان عجب سے کوئی بھی غافل نہیں
ہوا ادا حرمین میں جس کے جنازہ کی نماز
ہر کسی کو یہ سعادت یہ شرف حاصل نہیں
دین کے سب قافلوں کا اب نگہباں ہے خدا
محفلیں ہیں منتظر اور رونق محفل نہیں
جامعہ دار المعارف ہے تری اک یادگار
وہ کرم (روحی فداہ) نسیان کے قابل نہیں!
یاد کرتی ہے تجھے رہ رہ کے دنیا بوالحسنؒ!
کون سا شعبہ ہے جس پر حملۂ باطل نہیں!

تیری نسبت کا شرف لاکھوں کو حاصل ہے علی
ذوقؔ ناکارہ بھی کیا خدام میں شامل نہیں

وہ وقت کے محقق اور زمانہ کے امام کہلائے۔ "تعلیم ہو کہ تزکیہ" ہر ایک کا مقصود "معرفت الٰہی" ہے اس کے حصول کے لئے ان لوگوں سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جنھیں "سلوک و معرفت کی اس راہ کا بھرپور عرفان حاصل ہے، یعنی ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

قلم اور کلام کی عظمت

● مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)

قرآن مجید میں ایک سورۃ کا نام سورۂ قلم ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ" رب کائنات فرماتے ہیں قسم ہے قلم کی۔ اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے قلم اور جو قلم لکھتا ہے اس کی قسم سے اس سورۃ کی ابتداء کی ہے اس سے اسلام میں قلم اور اہل قلم کی قدردانی و اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ادب اور شاعری کا ذوق و صلاحیت یا قادر الکلام ہونا انسان کے لئے خداوند تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ ارسطو نے انسان کی تعریف ہی حیوان ناطق سے کی ہے دنیا کے تمام جانداروں میں انسان کا امتیاز اس کے نطق یعنی تکلم یا کلام ہی کی بدولت ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں قوتِ گویائی کے سبب انسان پر احسان جتلایا ہے اور انسانوں کی زبانوں کے اختلاف کو خدا کی عظیم نشانی کے طور پر ذکر کیا ہے غرض یہ کہ کلام نہ صرف انسان کے لئے درجۂ امتیاز ہے بلکہ اس کے لئے وجہ شرف و افتخار بھی ہے انسان کے مقام اور درجہ کو اس کی گفتگو و کلام ہی متعین کرتا ہے۔

مثل مشہور ہے "کلام الملوک ملوک الکلام" بادشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کے کلام کا مرتبہ سمجھا جا سکتا ہے جو فرق خالق و مخلوق کے مابین ہے وہی انسانوں کے کلام اور خالق کے کلام میں ہے

قرآن مجید فصاحت و بلاغت، حسن تعبیر اور حسین و جمیل اسلوب کا عظیم شاہکار ہے اور معجزہ بھی اس لئے پوری انسانی دنیا کو چیلنج کیا گیا۔ سب مل کر اس جیسی چھوٹی سی سورت یا آیت تک نہیں لکھ سکتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انا افصح العرب تمام عربوں میں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں۔ کائنات کا کوئی فرد بشر کلام کی خوبیوں اور فصاحت میں آپ کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ یہی حال آپ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے کلام و خطبات کا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات "نہج البلاغۃ" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح شاعری میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور خواتین میں حضرت خنساءؓ کا کلام بے مثل مانا گیا ہے۔ دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ کا صحیح دیوان آج بھی موجود ہے اور رسالت کے بعد بھی ہر دور میں امت کے جو عظیم اور ممتاز علماء گذرے ہیں، وہ اپنی قادر الکلامی تحریر کی جاذبیت و رعنائی، حسن تعبیر و سلاست اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز ہیں۔ خواہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ و خطبات ہوں، یا شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصانیف۔ شیخ علی ہجویری کی کشف المحجوب ہو یا مجدد الف ثانی کے مکتوبات، یا حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف، ہمارے بیشتر اولیاء کرام قادر الکلام شاعر بھی تھے حضرت امیر خسرو تو اردو زبان کے موجد و بانی اور اردو شاعری کی ابتدائی بنیاد رکھنے والوں میں ہیں۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ "ہر زندہ دل آدمی شاعر ہوا ہے لیکن ہر شاعر زندہ دل نہیں تھا"۔ اسلام انسان کو ہر اعتبار سے کامل و مکمل کرنے اور اس پر تمام نعمتوں کے اتمام کے لئے آیا ہے۔ (اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي) ہر نعمت اس کے صحیح استعمال سے اتمام و اکمال کو پہنچتی ہے، بلکہ وہ صحیح معنوں میں نعمت ہی صحیح استعمال کی بدولت بنتی ہے۔

نزول قرآن کے بعد کفار مکہ نے قرآن کا مقابلہ فصاحت و بلاغت پر مبنی خطبات اور شاعری سے کرنا چاہا۔ شاعری اس دور کا میڈیا تھا۔ کسی شاعر کی زبان سے ایک مصرع یا شعر ادا ہوتا اور بغیر کسی اخبار و پریس، ریڈیو و ٹیلیویژن کے آناً فاناً پورے عرب کی وسعتوں تک پہنچ جاتا۔

محمد رسول اللہؐ کے صحابہ کرامؓ کو طاقت کی جنگ کے ساتھ قلم کی جنگ بھی لڑنی پڑی بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ اہل مکہ سے اصل معرکہ قلمی رہ گیا، غزوۂ خندق کے بعد رسول اللہؐ نے فرمایا اب اہل مکہ کبھی تم پر عسکری طور پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے اب ان کا حملہ ایک اور جہت سے یعنی ادب و شاعری کی راہ سے ہوگا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت حسان بن ثابتؓ جیسے حضرات نے وقت کے اس چیلنج کو قبول کیا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کے یہ غلام اس میدان میں بھی کفار مکہ کو شکست فاش دیں گے، چنانچہ یہی ہوا بھی۔ یہ منظر بھی دنیا نے دیکھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ مسجد نبوی کے فرش پر تشریف فرما ہیں۔ اور آپ کے درباری شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر

کھڑے ہو کر حمد و نعت اسلام کے دفاع اور دعوت حق کے متعلق کلام سنا رہے ہیں اور سارے نبیوں کا امام اپنے ہاتھ بلند کر کے کہہ رہا ہے "اللھم ایدہ بروح القدس" اے خدا! جبرئیل کے ذریعہ اس کی مدد فرما۔

قرآن نے شعراء کا صحیح نقشہ کھینچا ہے اور قرآن سے بڑھ کر منظر کشی کون کر سکتا ہے "وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ عام طور پر بے راہ لوگ شعراء کے پیچھے ہو لیتے ہیں" "أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ" کیوں کہ یہ شعراء حقیقت سے دور خیالات و تصورات کی وادیوں میں بھٹکا کرتے ہیں۔ "وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ" اور وہ جو کہتے ہیں اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ قرآن نے پورے انصاف پسندی کے ساتھ صحیح شعراء کا استثناء کیا ہے۔ "إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا" ہاں جو ایمان اور عمل صالح پر ہیں وہ ایسے نہیں ہیں۔

اسلام نے ادباء و شعراء کو ایسی شاہراہ پر ڈالا جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے کلام کو بلکہ خود ان کو بھی حیات جاودانی حاصل ہو جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اگرچہ فنی و ادبی اعتبار سے فیض اور جوش کو خواہ کتنا ہی بلند مقام حاصل ہو مگر اقبال کے کلام نے اپنے صحیح رخ اور اعلیٰ مقصدیت کے سبب سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اقبال کو جو دوام حاصل ہوا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں یہ دوام و بقاء صرف کلام کی خوبیوں کی بدولت نہیں بلکہ اس رخ اور زاویہ کی بدولت ہے جو قرآن نے شعراء کو عطا کیا۔

شیخ محمد اکرام نے "رود کوثر" کے مقدمہ میں مہدی گورکھپوری کا فقرہ نقل کیا ہے کہ انشاء پرداز کا ایک فقرہ ہزاروں علمی و تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے۔

کبھی ادیب یا شاعر چند فقروں میں ایسی بات کہہ جاتا ہے جو دفتروں پر بھاری ہوتی ہے جس طرح ایک شاعر نے کہا ہے کہ ؎

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں
ماہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

اکبر الہ آبادی نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب یا غدر پر دو لفظوں کے الٹ پھیر کے ذریعہ نہایت بلیغ تبصرہ کیا ہے ؎

کیسے کیسے ایسے ویسے ہو گئے
ایسے ویسے کیسے کیسے ہو گئے

حدیث میں آیا ہے کہ قلب الانسان بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کہ انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہیں جدھر چاہے پھیر دے اسی طرح قوموں کی تاریخ میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ ہزارہا لوگوں کے دلوں کی دنیا ایک قادر الکلام خطیب یا شاعر کے چند فقروں سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر آج کا دور جسے بجا طور پر میڈیا یا ذرائع ابلاغ کا دور کہا جاتا ہے، ایک مسلمان اہل قلم ادیب و شاعر کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حسن تعبیر کے بادشاہ تھے، ساؤتھ انڈیا کے شہر بنگلور میں بھارت کے میڈیا کو خطاب کرتے ہوئے فارسی شاعر کا ایک شعر پڑھا۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام
زیر قدمت ہزار جان است

شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے آہستہ چل بلکہ مت چل تیرے قدم کے نیچے ہزار جانیں ہیں۔ حضرت مولانا نے اس شعر میں بلیغ ترمیم فرماتے ہوئے کہا اے میڈیا کے لوگو میں کہتا ہوں "زیر قلمت" تمہارے قلم کے نیچے ہزار جانیں ہیں، تم اپنی ذمہ داری کا احساس کرو، ملک کے مختلف طبقات میں نفرت کے بجائے محبت کا پرچار کرو بھارت کے غیر مسلم میڈیا میں عرصہ تک حضرت مولانا کی اس بات کا چرچا رہا۔

یہ بات میرے لئے باعث سعادت ہے کہ آج تک یورپ کے سب سے بڑے اسلامی مرکز میں برطانیہ کے قابل صد احترام ادباء، شعراء اور اہل قلم سے مخاطب ہونے کا موقع ملا ہے، آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے نہایت مؤثر اور طاقت ور ہتھیار عطا فرمایا ہے جو سیف علی المرتضیٰ کی طرح دو جہت یعنی دو دھاری ہے۔ اس سے ملت اور نئی نسل کی رہنمائی بھی کی جا سکتی ہے۔ اور انھیں لذت پسندی اور خواہشات کے گڑھوں میں بھی ڈھکیلا جا سکتا ہے۔ آپ حضرات حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے جانشین بن کر اپنے قلم کی آب کو مزید آبدار بنائیں۔ آپ کے قلم سے ایسے جواہرات نکلیں، ایسے موتی بکھریں جو نوجوانوں کو مردوں اور عورتوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلائے انہیں مدہوش نہ کیجئے بلکہ ہوش مندی و خرد عطا کیجئے۔ اس وقت دنیا میں ملت اسلامیہ کو جو چیلنجز درپیش ہیں ان میں سب سے بڑا چیلنج میڈیا صحافت و ادب کی راہ سے ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے اہل قلم ادباء، شعراء، اس نازک ذمہ داری کا احساس فرمائیں گے۔ اور ملت کو درپیش ہمہ جہتی ناگفتہ بہ حالات اس کا تعاون کریں گے۔" وما علینا الا البلاغ المبین ٥

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے قدرداں مولوی زاہد حسین صاحب کا ۲۳ ستمبر ۲۰۰۱ء کو اپنے آبائی وطن گورکھپور میں مختصر علالت کے بعد ایک بجے دن میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم شہر گورکھپور میں تعمیر حیات کی توسیع و اشاعت میں کافی دلچسپی لیتے تھے اس سلسلے میں انھوں نے تعمیر حیات کی ایک ایجنسی بھی لے رکھی تھی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

شب برأت کی حقیقت

محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

اسلام ایک مکمل، جامع اور فطری و ربانی دین ہے، اس دین کی بنیاد قرآن و سنت پر قائم ہے۔ یہ دین جہاں زندگی کے تمام مرحلوں میں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے وہیں غیر اسلامی طریقوں اور رواجوں پر پابندی لگاتے ہوئے افراط و تفریط سے مسلمانوں کو سختی کے ساتھ روکتا ہے۔

ماہ شعبان کی پندرہویں شب شب برأت ہے جس کے بارے میں حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس شب کی کوئی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اور اس رات میں جاگنا اور اس شب میں عبادت کو خصوصی طور پر باعث اجر و ثواب سمجھنا بے بنیاد ہے، صحیح نہیں ہے، انھیں احادیث رسول اور علماء کے اقوال سے رجوع کرنا چاہئے۔

یہ صحیح ہے کہ شب برأت کے سلسلہ میں بہت سی احادیث پر محدثین نے کلام کیا ہے اور درجہ صحت سے فروتر سمجھا ہے لیکن پھر بھی "صحاح" میں بعض حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے اس رات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے "ماثبت بالسنہ" میں "فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ" کی تفسیر میں حضرت عکرمہؓ سے یہ نقل کیا ہے۔

قال فی لیلۃ النصف من شعبان یبرم امر السنۃ وینسخ الاحیاء ویکتب الحاج فلا یزاد فیھم احد ولا ینقص منھم احد۔

(رواہ ابن جریر، ابن المنذر و ابن ابی حاتم)

فرمایا کہ وہ شب شعبان کی پندرہویں شب ہے جس میں سال بھر کا معاملہ طے ہو جاتا ہے زندوں کی فہرست بن جاتی ہے، حجاج کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس مرتب شدہ فہرست میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف اپنی خاص توجہ فرماتے ہیں، اور مشرک و کینہ پرور کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔"

(ترغیب و ترہیب ص ۲۱۰)

شب برأت کے اسماء

علماء نے شب برأت کے چار نام تحریر فرمائے ہیں۔ صاحب کبیر — ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) لیلۃ المبارکہ
(۲) لیلۃ البرأت
(۳) لیلۃ الصک
(۴) لیلۃ الرحمت، المبارکۃ (یعنی برکت والی رات)

وجہ برکت چند فرمائی گئیں۔ ایک قول کے مطابق اس شب میں قرآن نازل ہوا، دوم اس شب میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو کہ خیر و برکت کا ذریعہ ہیں۔ سوم اس شب میں اللہ رب العزت ماء زمزم (یعنی زمزم کے پانی) کو زائد فرماتے ہیں اور یہ زیادتی ظاہری بھی ہوتی ہے، دوسرا نام البرأت (یعنی بری کرا دینے والی رات) اس شب میں اللہ جل شانہ ایک بڑی تعداد میں گنہگاروں کی مغفرت فرما کر جہنم سے بری فرماتے ہیں، تیسرا نام لیلۃ الصک ہے (لغت میں صک اقرار نامہ کو کہتے ہیں) لہٰذا لیلۃ الصک اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت اس شب میں گناہوں کی مغفرت فرما کر ایک اقرار نامہ (پروانۂ نجات) اس بندہ کو عطا فرما دیں گے۔ چوتھا نام لیلۃ الرحمت (یعنی رحمت والی رات) تفسیر کبیر ج ۲۷ ص ۲۳۸

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تحریر کیا ہے کہ پندرہویں شعبان کو شب بیداری کرو اور دوسرے دن روزہ رکھو۔ کیونکہ اس شب میں اللہ تعالیٰ مغرب کے وقت ہی سے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ "ہے کوئی مجھ سے طالب مغفرت تاکہ میں اس کی مغفرت کر دوں، ہے کوئی روزی مانگنے والا تاکہ اسے خوب روزی دوں۔ ہے کوئی مصیبت کا مارا، عافیت کا خواہاں تاکہ اسے عافیت دے دوں" اور اسی

طرح طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ نوازنے کے لئے دریافت کرتا رہتا ہے۔

(مومن کے ماہ و سال ص ۱۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پہ نہ پایا تو میں تلاش کے لئے نکلی، آپ بقیع میں تھے یعنی (مدینہ کے قبرستان بقیع میں تھے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل تشریف لائے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ مگر چند بدنصیب شخصوں کی طرف اس رات میں بھی نظر عنایت نہ ہوگی، مشرک، کینہ پرور، قطع رحمی کرنے والے، پائجامہ یا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، شراب نوشی کرنے والے۔

(تفسیر کبیر ج ۲۷ ص ۲۳۷)

اس لئے مسلمان شب برأت میں قبرستان جانے کا اہتمام کرنے لگے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ جو بات جس درجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کو اسی درجہ میں رکھنا چاہئے اور افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ جنت البقیع شعبان کی پندرہویں شب میں تشریف لے گئے۔ اس لئے مسلمان بھی ایک مرتبہ چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ہر شب برأت میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا، اور اس کو لازمی سمجھنا بلکہ شب برأت کا لازمی جز سمجھنا صریح طور پر غلط ہے، ہاں اگر کبھی کوئی مسلمان اس نیت سے قبرستان چلا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے اور وہاں جاکر عبرت حاصل کرے اور اس رات میں ذکر و اذکار، تسبیح و دعا، تلاوت قرآن، نفلی نماز اور دوسرے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کرے تو انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔

غیر اسلامی باتوں سے اجتناب کیجئے

لیکن شب برأت کے موقع پر در و دیوار پر جلائی جانے ولی دیپکیں اور موم بتیاں، گھروں اور دوکانوں میں کی جانے والی چونا کاریاں اور روشنیاں، رات میں کی جانے والی پرشور پٹاخے بازیاں اور اذیت رسانیاں، قبرستانوں کی دیا بتی، پھول مالوں اور بیوی بچوں کے ساتھ کی جانے والی قبروں کی زیارتیں، اور دندان مبارک کی شہادت کی یاد میں دانت شکن حلوہ خوریاں اور اس کو دین کا جز سمجھنا وغیرہ یہ ساری باتیں دور نبوتؐ اور دور صحابہؓ میں ہمارے اس دین کا جز اور حصہ نہیں رہی ہیں، اور آج بھی یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں ہیں۔ بلکہ سراسر غلط، صریح بے دینی اور گمراہی کی باتیں ہیں اور یہ ہندوؤں کے تہوار دیوالی کی نقالی ہے، مسلمانوں کو ان خرافات اور فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

اسی طرح پندرہویں شب کو عورتیں عرفہ کہتی ہیں اور یہ خیال کرتی ہیں کہ مردوں کی روحیں آج آپس میں ملتی ہیں اور اس سال جس کی وفات ہوئی ہے وہ خاص طور پر آج کی رات مردوں کی برادری میں شامل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے نام سے حلوہ کا فاتحہ دلاتی ہیں یہ صریح جہالت کی بات ہے۔ بعض جگہوں پر تو نئے برتنوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہندو دیوالی کے موقع پر کرتے ہیں۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان باتوں سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کی روشنی میں اگر کوئی بات ہو سکتی ہے تو صرف یہ ہے کہ مسلمان اس رات میں جاگ کر نماز پڑھیں، ذکر و تلاوت کریں، عبرت حاصل کرنے کے لئے قبرستان جائیں اور شب برأت کی صبح یعنی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھیں، یہی اعمال مسنون ہیں۔

شب برأت کا حلوہ

حلوہ بنانا اور کھانا یقیناً جائز ہے اور ہر مسلمان کھاتا ہے، لیکن شب برأت کے موقع پر اسلامی تہوار اور دین کا جز سمجھ کر حلوہ بنانا اور کھانا یا پتھر نما یا نرم شبراتی حلوؤں کو اس عقیدے کے ساتھ بنانا اور کھانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو دانتوں کے شہید ہو جانے پر کھایا تھا یا آپ کے عاشق صادق محب رسول حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے مارے غم اور محبت کے اپنے سارے دانت توڑ کر حلوہ کھایا تھا۔ قطعاً بے دلیل، غلط اور بے بنیاد بات ہے، نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی حلوہ کھایا اور نہ ہی حضرت اویس قرنیؒ نے اپنے دانت توڑ کر نرم نرم حلوہ کھایا

تھا، سب غلط ہے۔ شب برأت کو تہوار سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ اسلام میں صرف دو تہوار ہیں ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ، اس کے علاوہ کوئی تیسرا تہوار مسلمانوں کو منانا جائز نہیں۔

شیعوں کی شب برأت

شب برأت شیعوں کے یہاں شب تبرا کے نام سے معروف ہے اور شب برأت شیعوں کے یہاں تبرے بازیوں کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں ان کے بارہویں امام، امام مہدی غائب عدم سے وجود میں آئے تھے۔ اس خوشی میں وہ اس رات میں صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہرات کو لعن طعن کرتے ہیں، ان سے نفرت و برأت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انھیں شیعوں نے ہی شب برأت (جو ایک عبادت اور دعاء و مناجات والی رات ہے) میں یہ خرافات سنی مسلمانوں میں پھیلا دی ہو۔ تاکہ ان کے جوان کھانے پکانے اور پٹاخے پھوڑنے میں مصروف رہیں، بوڑھے اور ضعیف لوگ روزہ نماز میں لگے رہیں۔ اور یہ شیعہ حضرات پوری آزادی اور بے خوفی کے ساتھ سنیوں کی آتش بازیوں کے دھن پر حلوے مانڈوں کی اضافی طاقت کے ساتھ صحابہ کرامؓ کو لعن طعن کرتے پھریں، اور سنی مسلمان صرف حلوے خوریوں، آتش بازیوں اور قبرستانوں میں مدفون مردوں میں مست ہو کر ان شیعوں کے مکر و فریب کی خبر نہ لے سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو غیر اسلامی طریقوں سے بچا کر اس مبارک شب، شب برأت کی قدر کرنے اور اس شب میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ☆☆

عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک یہودی کا قرض تھا اس نے آکر اپنا قرض مانگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں، کچھ مہلت دو۔ یہودی نے شدت کے ساتھ مطالبہ کیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا قرض ادا نہ کردو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہیں اختیار ہے میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھ گئے اور ظہر، عصر، مغرب عشاء کی اور پھر اگلے روز صبح کی نماز یہیں ادا فرمائی، صحابہ کرام یہ ماجرا دیکھ کر رنجیدہ اور غضبناک ہورہے تھے اور آہستہ آہستہ یہودی کو ڈرا دھمکا کر یہ چاہتے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تاڑ لیا اور صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا کرتے ہو؟ تب انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم اس کو کیسے برداشت کریں کہ ایک یہودی آپ کو قید کرے۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھے میرے رب نے منع فرمایا ہے کہ کسی معاہدہ وغیرہ پر ظلم کروں" یہودی یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہا تھا۔

صبح ہوتے ہی یہودی نے کہا" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه

اس طرح مشرف بہ اسلام ہو کر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستہ میں دیدیا۔ اور قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں نے اس وقت جو کچھ کیا اس کا مقصد صرف یہ امتحان کرنا تھا کہ تورات میں جو آپ کی صفات بتلائی گئی ہیں وہ آپ میں صحیح طور پر موجود ہیں یا نہیں، میں نے تورات میں آپ کے متعلق یہ الفاظ پڑھے ہیں:

"محمد بن عبد اللہ، ان کی اولاد مکہ میں ہوگی اور ہجرت طیبہ کی طرف اور ملک ان کا شام ہوگا، نہ وہ سخت مزاج ہوں گے۔ نہ سخت بات کرنے والے، نہ بازاروں میں شور کرنے والے فحش اور بے حیائی سے دور ہوں گے"۔

اب میں نے تمام صفات کا امتحان کر کے آپ میں صحیح پایا، اس لئے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ میرا آدھا مال ہے آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں خرچ فرمائیں۔ اور یہ یہودی بہت مالدار تھا، آدھا مال بھی ایک بہت بڑی دولت تھی۔ اس روایت کو تفسیر مظہری میں بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی، نقل فرمایا ہے۔

(از قصص معارف القرآن)

ذرا سوچئے!

نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

اگر آپ طبیب اور ڈاکٹر ہیں تو سچ بتائیے کہ کیا یہ فکر آپ پر طاری نہیں رہتی ہے کہ آپ کے مطب میں ہمہ وقت مریضوں کا تانتا بندھا رہے اور آپ کی "پریکٹس" خوب چلتی رہے؟ اگر آپ نے نرسنگ ہوم کھول رکھا ہے تو ذرا یہ بتلائیے کہ کیا آپ کی خواہش یہ نہیں ہوتی کہ مریضوں اور ان کے تیمارداروں سے مختلف قسم کے "ٹسٹ" اور دیگر "سہولتوں" کے نام پر زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کرلیں؟ اگر آپ وکیل ہیں تو کیا یہ تمنّا دل میں نہیں رکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مقدمے اور مشہور ترین کیس آپ کے ہاتھ میں آئیں؟ حالانکہ اکثر آپ کو یہ علم ہوتا ہوگا کہ یہ مقدمے سرتاسر غلط اور ناانصافی پر مبنی ہیں لیکن پھر بھی یہ مقدمے آپ کی "بے مثال" آئینی مہارت اور قانونی موشگافیوں سے واقفیت کی وجہ سے آپ کے مؤکل کے حق میں فیصل ہوجاتے ہیں! اگر آپ پولیس کے عہدہ دار ہیں تو کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ اپنے اعلیٰ افسروں کی نگاہ میں سرخروئی اور بہتر کارکردگی کے مظاہرہ کے لئے اکثر اوقات بے خطا و بے قصور افراد ہی کو اپنے شکنجہ میں کس لیتے ہیں؟ اگر آپ کسی سرکاری محکمے کے اہلکار ہیں تو صحیح صحیح بتائیے کہ خلقتِ خدا کے تئیں آپ کا یہ رویہ اس وقت کیا ہوتا ہے جب اس کو آپ کی ضرورت ہوتی ہے؟ اگر آپ سیاستداں اور حکمراں ہیں تو ایمانداری سے یہ بتائیے کہ کیا شب و روز آپ اس سوچ میں نہیں رہتے ہیں کہ ملک کے باشندوں اور اپنی رعایا کو کن کن حربوں اور ہتھکنڈوں سے بے وقوف بناتے رہو اور اپنی حکومت اور سیاست برقرار رکھو؟ اگر آپ خود کسی درسگاہ اور اسکول کے مالک ہیں تو براہ کرم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بتائیے کہ آپ کی اس تعلیم گاہ کے مقاصد کیا ہیں؟ اشاعتِ علم یا حصولِ زر یا کچھ اور؟ اگر آپ درسگاہ کے استاد اور معلّم ہیں تو تدریسی خدمت کے معاوضہ کے علاوہ آپ کی کوشش — (خدانخواستہ) کہیں یہ تو نہیں ہوتی کہ اپنے شاگردوں سے مختلف فوائد حاصل کریں؟ اگر آپ صحافی اور اخبار نویس ہیں تو کیا پوری صدق دلی اور دیانت سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا "قلم" امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہا ہے؟ اگر آپ صاحب زر اور سرمایہ دار ہیں تو کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ آپ کے وقت کا بڑا حصہ اس ادھیڑ بن میں نکل جاتا ہے کہ اپنے سرمایہ میں اضافہ کی کیا شکلیں اختیار کی جائیں؟

اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو اس سے کہیں بہتر تھا کہ ان "علوم و فنون" سے آپ بے بہرہ ہوتے! کاش انسانیت کے لئے باعثِ عار ان "نیک نام مشغلوں" سے آپ لاعلم رہتے! کتنا اچھا ہوتا کہ اس طرح کی آمدنی سے آپ کا بینک اکاؤنٹ پاک ہوتا۔

اللہ کے واسطے ذرا دیر کے لئے سوچئے کہ کیا آپ کی نگاہ میں آدمیت اور انسانیت کی خدمت اسی طرح کے خوشنما اور دلفریب نام رکھ کر کی جاتی ہے؟ اور کیا اس نوعیت کے کام کرنے والے "معیاری انسان" ہیں؟ کیا یہی وہ اشرف المخلوقات ہے جس کو "خلیفۃ اللہ" کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہے؟ کیا "مسجودِ ملائک" کے اعمال ایسے ہی ہوتے ہیں؟

بمبئی کے قارئینِ "تعمیرِ حیات" سے

بمبئی کے قارئینِ "تعمیرِ حیات" حضرات سے گذارش ہے کہ "تعمیرِ حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں اُن کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائیگی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 346 0220 / 346 8708
Tel.(R): 309 5852

۱۲ نمبر اور ۱۲×۷ کی
اسپیشل چائے استعمال کیجئے۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س:۔ اذان کے بعد مسجد سے نکلنا شرعاً کیسا ہے؟

ج:۔ اذان کے بعد بغیر عذر مسجد سے نکلنا شرعاً ممنوع ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ "جب تم مسجد میں موجود رہو اور اذان ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔"

س:۔ جمعہ کی اذان ثانی کس جگہ سے کہنی چاہیئے؟

ج:۔ اذان ثانی منبر کے سامنے سے بھی دے سکتے ہیں اور فاصلہ سے بھی دے سکتے ہیں، پہلی صورت توارثاً ثابت ہے، دوسری صورت بھی ثابت ہے، حضرت عثمان رضؓ نے دوسری اذان کا اضافہ کیا ہے، ورنہ اس سے قبل صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی جو خارج مسجد ہوا کرتی تھی۔ جب ایک اذان کا اضافہ ہوا تو ایک مسجد کے اندر اور ایک مسجد سے باہر ہونے لگی۔ (ہدایہ ص۱۵۱)

س:۔ اذان ثانی اور خطبہ کے دوران سنت پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے چار رکعت سنت کی نیت باندھ لی پھر اذان ثانی شروع ہوئی تو اب کیا کرے؟

ج:۔ اذان ثانی اور خطبہ کے دوران سنت پڑھنا درست نہیں ہے۔ اب کسی نے چار رکعت سنّت کی نیت باندھ لی پھر اذان ثانی شروع ہوئی تو سنّت کی تکمیل کرلے۔

س:۔ سورج طلوع ہونے کے بعد جو وقت مکروہ ہوتا ہے، اس وقت نوزائیدہ بچے کے کان میں پیدائش کی اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ مذکورہ وقت میں بچّے کے کان میں اذان دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

س:۔ کیا بچہ صبح کے وقت پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان کے کلمات کے ساتھ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ بھی کہنا چاہیئے یا نہیں؟

ج:۔ بچہ کسی وقت پیدا ہو اس کے کان میں جو اذان کہی جائے گی، اس میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ کلمات کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ صبح کا وقت چونکہ سونے کا وقت ہوتا ہے۔ اور ان الفاظ کو سن کر لوگ نیند پر نماز کو ترجیح دے کر مسجد آجائیں اور چونکہ بچے کیلئے اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے اس کے اضافے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

س:۔ کیا قبر میں اذان دینا سنّت سے ثابت ہے یا نہیں؟

ج:۔ میّت کی تدفین کے بعد دعائے مغفرت کرنا اور قرآن شریف وغیرہ پڑھکر بخشنا سنّت سے ثابت ہے، مگر قبر کے اندر یا قبر پر اذان دینے کا نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرامؓ، سلف صالحین کسی کے یہاں کوئی ثبوت ملتا ہے، اور نہ کوئی اس کی اصل ہے، لہٰذا ایسا کرنا بدعت ہے۔

س:۔ کیا اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے؟

ج:۔ ہاں! جو شخص اقامت کے کلمات سُنے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ بھی اقامت کے کلمات دہرائے اور حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه اور قد قامت الصلوٰۃ کے وقت اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا (اللہ اسے قائم رکھے اور ہمیشہ رکھے) کہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقامت کہنے لگے۔ اور جب وہ قد قامت الصلوٰۃ پر پہونچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا اور باقی اقامت کے وقت آپ نے وہی الفاظ کہے جو اذان کے وقت کہے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

س:۔ گھر میں اگر تنہا نماز پڑھے تو اقامت کہے یا نہ کہے؟

ج:۔ گھر میں منفرد (تنہا نماز پڑھنے والے) کے لئے محلہ کی اقامت کافی ہے، پھر بھی اگر کہہ لے تو بہتر ہے۔

س:۔ ایک مسجد میں نماز باجماعت ادا کی جاچکی ہے۔ اس مسجد میں کوئی شخص نماز ادا کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ اقامت کہہ سکتا ہے۔

ج:۔ جماعت ہوجانے کے بعد اگر کوئی شخص اسی مسجد میں نماز ادا کرنا چاہے تو اس کے لئے اقامت کہنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو مغالطہ ہوگا۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے قدرداں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے خصوصی تعلق رکھنے والے جناب محمد مظہر علی صاحب (چترا صوبہ جھارکھنڈ) کے بہنوئی جناب عبد الغفور صاحب کا ۲۳/ستمبر ۲۰۰۱ء کو انتقال ہوگیا۔

● مدرسہ اسلامیہ رانچی جھارکھنڈ کے مہتمم جناب مولانا محمد قاسم جمالی صاحب کی والدہ کا حال ہی میں ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

مطالعہ کی میز

تبصرے کے لئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

• محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب : قصص معارف القرآن
مصنف : مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
مرتب : مولانا خالد محمود
صفحات : ۳۶۸، سائز $\frac{18 \times 22}{8}$
خوبصورت ٹائٹل، قیمت درج نہیں،
ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ رشیدیہ محلہ مبارک شاہ ضلع سہارنپور۔ (یو۔پی)

مشہور عالم دین اور مفسر قرآن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر "معارف القرآن" کی اہمیت وافادیت محتاج بیان نہیں، یہ بلاشبہ اردو زبان کی مستند ترین تفسیر ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر سلف کی مکمل جھلک، جدید مسائل کے حل کی روشنی میں اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور طلباء، اساتذہ، علماء اور عوام سبھی اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کے اندر جا بجا مستند ترین حوالوں سے مختلف عبرتناک اور سبق آموز واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

جناب مولانا خالد محمود صاحب نے "معارف القرآن" میں آئے ہوئے بہت سے دلچسپ، علمی، تاریخی اور مستند ترین واقعات کو اس کتاب میں جمع کردیا ہے۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن میں پچھلی نسلوں کا تذکرہ بھی ہے اور عام لوگوں کے لئے عبرت وموعظت کا سامان بھی ہے کہ وہ ان واقعات پر غور کریں۔ اور "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرْ" کے قاعدے کو سامنے رکھتے ہوئے اچھی باتوں پر عمل کریں اور برے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

امید ہے کہ یہ واقعات عوام وخواص سبھی لوگوں کے لئے نافع ثابت ہوں گے۔

نام کتاب : سوانح شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ
مصنف : مولانا عبد القیوم حقانی
صفحات : ۳۲۰، سائز $\frac{18 \times 22}{8}$، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ :۔ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راول پنڈی (پاکستان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے ایک بزرگ عالم دین تھے، ان کی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں اور انھوں نے ہر پہلو میں علمی اور عملی کارنامے انجام دیئے نیز وہ ایک جامع صفات اور جامع جہات شخصیت کے مالک تھے۔

یہ کتاب حضرت مولانا ہی کے سوانحی حالات پر مبنی ہے جس میں ان کے علمی وعملی کمالات، نمایاں صفات، انداز تعلیم وتربیت دینی واصلاحی، قومی ملی اور ملکی خدمات کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے وہیں ان کی سب سے نمایاں صفت جو اس وقت نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، وہ مولانا کا تقویٰ اور مالی معاملات میں کمال احتیاط ہے کا بھی ذکر ہے۔

یہ کتاب چوبیس ابواب پر مشتمل ہے جن میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عہد طفولیت کسب علم، درس وتدریس، اخلاق وعادات، عبادات ومعمولات خشیت الٰہی واتباع سنت نظریۂ تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح، دینی حمیت وغیرت اور محدثانہ جلالت شان کا بیان بڑے اچھے اسلوب میں کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر قارئین کے اندر عمل نافع اور باقیات صالحات کے ذخیرہ کا ذوق وشوق پیدا ہوگا۔

نام کتاب : تراویح کی اہمیت وفضیلت
مرتب : مولانا محمد ابراہیم بن محمد اوپا مانگرولی
صفحات : ۱۴۴، سائز $\frac{18 \times 22}{8}$، قیمت درج نہیں
ملنے کا پتہ : مجلس العلماء مانگرول کاٹھیاواڑ، نزد مسجد نور مانگرول ضلع جوناگڑھ ۳۶۲۲۲۵ (گجرات)

زیر نظر کتاب میں قرآن کی عظمت وفضیلت پر قرآن کی تلاوت کرنے پر اجر وثواب، حفظ قرآن بقاء تحسین تراویح اور آداب تراویح کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور کتاب میں ترغیب وترہیب دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب تمام مسلمانوں کے لئے قرآن پاک کی قدر ومنزلت اور تراویح کی اہمیت سمجھنے کے لئے مفید بن گئی ہے اور حفاظ کرام کے لئے بہترین مذکرہ وتحفہ،

ائمہ حضرات اور حفاظ کرام جو تراویح پڑھاتے ہیں وہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

> الٰہی پھر مسلمانوں میں ذوق قرآں ہو
> اسی میں ان کا جینا ہو اسی میں ان کا مرنا ہو
> علامہ اقبال

قارئین تعمیر حیات سے گذارش

یہ بات ادارہ تعمیر حیات کے لئے باعث مسرت ہے کہ قارئین تعمیر حیات اپنے خطوط میں رسالہ سے دلچسپی اس کی افادیت اور بعض حضرات بڑی شیفتگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور سرخ نشان یا مطالبہ کا خط ملنے پر جلد رقم بھیجنے کی فکر کرتے ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ ہمارے بہت سے قارئین اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے مطالعہ اور خریداری کی طرف توجہ دلاکر اس نیک اور دعوتی کام میں اپنا قیمتی تعاون پیش کرتے ہیں، جیساکہ ہمارے قارئین کو اندازہ ہوگا۔ تعمیر حیات کوئی کاروباری صحافت نہیں ہے بلکہ خالص دعوتی اور موجودہ عہد میں امت مسلمہ کے لئے درپیش خطرات سے باخبر رکھنے کا ایک مثبت اور تعمیری رسالہ ہے جو نقصان کی پرواہ کئے بغیر اپنا فریضہ ادا کررہا ہے۔ لیکن ادھر دوماہ سے ڈاک خرچ میں دوگنا اضافہ ہوگیا ہے اور کاغذ بھی بہت مہنگا ہوگیا ہے۔ لہذا ادارے کے ذمہ داروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی قیمت میں کچھ اضافہ کردیا جائے۔

یہ اضافہ جتنا کم سے کم ہونا ضروری ہے وہ فی شمار ایک روپیہ مزید ہے یعنی چھ روپئے کے بجائے سات روپئے۔

لہذا رسالہ کے سال نو یعنی از نومبر ۲۰۰۱ء سے ایک پرچہ کی قیمت =/7 روپئے اور سالانہ قیمت =/150 روپئے کردی گئی ہے۔ اسی حساب سے اشتہار اور ایجنسی میں اضافہ ہوگیا ہے، امید ہے کہ ہمارے قارئین واشتہار دینے والے حضرات دین کی خدمت اور کار ثواب سمجھ کر اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔

جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے وہ اگر بطور مالی تعاون اس خالص دینی دعوتی، اور امت میں بیداری پیدا کرنے والے رسالہ میں حصہ لیں تو ان کے لئے صدقۂ جاریہ سے کم نہ ہوگا۔ الحمد للہ اس سے ہزاروں ہزار افراد اور دور دراز ملکوں کے لوگوں کو فائدہ پہونچ رہا ہے۔

اضافہ کی تفصیلات

۱ :۔ فی شمارہ	Rs:- 7/=
۲ :۔ سالانہ زر تعاون	Rs:- 150/=
۳ :۔ ششماہی	Rs:- 80/=
۴ :۔ غیر ملکی فضائی ڈاک سے	Rs:- 1500/=
۵ :۔ " " بحری " "	Rs:- 900/=

نرخ اشتہار

۱ :۔ رنگین صفحہ (پشت پر)	Rs: 50/=	فی سینٹی میٹر فی کالم
۲ :۔ اندرون صفحہ	Rs: 40/=	" " "

ایجنسی: فی کاپی =/15 :Rs پیشگی بطور ضمانت ادا کرنی ہوگی۔

(ادارہ)